راحتِ زمانی

(کی)

مزیدار کہانی

جسے منشی سید احمد صاحب دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ انشائے
ہادی النساء - رسوم دہلی - مناظرۂ تقدیر و تدبیر وغیرہ نے مستورات کا وقت
ضائع نہونے کے خیال سے خاص بیگماتی زبان میں ایک دلچسپ دلربا
شوق انگیز ظرافت آمیز - ناول کی طرز - رسوم بد و وہم بیجا سے بچنے ضبط
اوقات فرمانے - بے شغلی کی خرابیوں - زود اعتقادیوں - اور مضمون تقدیر
کی غلط فہمیوں کے دور کرنے کی غرض سے تصنیف فرمایا -

اب تیسرے ایڈیشن کی نافروختہ تھرڈ ایڈیشن بعوض دو صد جلد
مالک عصمت نے اجازت لے کر افادہ مستورات کے واسطے

سنہ ۱۹۱۱ء میں

باہتمام شیخ محمد اکرام مالک عصمت

مطبع [illegible] دہلی میں چھاپ کر مشتہر کیا

قیمت غیر مجلد [illegible] ۰ جلد 5|۰

نوٹ جب تک بیان [illegible] ختم نہو کوئی صاحب اس کتاب کے چھاپنے کا قصد نہ فرمائیں

راحتِ زمانی

یعنی

بی راحت زمانی اور وقت کی کہانی

اسی اُجڑے دیار یعنی دلی شہر کی رہنے والی ایک لڑکی تھی راحت زمانی بیگم اُس کا نام تھا۔ کئی گھروں میں یہ ایک ہی بچی تھی۔ ماں باپ نانا دادا کی دولت اور ایک چھوٹی سی ریاست بھی خدا نے دے رکھی تھی۔ ماں آنکھ کا تارا۔ باپ گھر کا اُجالا سمجھتا تھا۔ اگر کسی طرح ذرا بھی ان صاحبزادی کا دل میلا ہوجاتا تو سارے گھر پر ایک غضب آجاتا۔ باندیاں۔ چھوکریاں۔ انّا۔ ددا۔ چھوچھو کھلائی۔ سب کا دم خشک ہوجاتا۔ نام کے ساتھ خدا نے دنیا بھر کا چین بھی دے رکھا تھا مگر اُن کے ہاتوں سے اوروں کو چین نصیب نہ تھا۔ خدا رکھے تیرہ برس کے چودھویں میں تھیں لیکن ابھی تک ننھے بچوں کی طرح ٹھنک ٹھنک کر باتیں کرتی تھیں۔ رونا تو ان کی ناک پر دھرا تھا۔ اور غصہ بات بات پر موجود

(ہائے رے لاڈ تیری خرابیاں) خاص ان کی خدمت کے لیے سولہ عورتیں مقرر تھیں۔ ان میں سے آٹھ کا کام صرف بیوی بنّو کو چپّی کر کے سُلانا۔ دو کا باری باری سے کہانیاں سُنانا۔ دو کا پہیلیاں کہنا۔ باقی رہیں چار ان میں سے کوئی کنگھی چوٹی کرواتی۔ کوئی چنور کرتی۔ کوئی پنکھا ہلاتی۔ کوئی اُٹھتے وقت جوتیاں سیدھی کرتی۔ ہنسنے بولنے کو پاس پڑوس کی چھ سات سہیلیاں۔ دو چار ہمجولیاں بھی ساتھ رہتی تھیں۔ مگر بی راحت زمانی کو سونے سے کب فرصت تھی جو ان بیچاریوں کی نوبت آتی۔ ہاں صبح کا خاصہ نوش جاں فرمانے کے بعد گھڑی آدھ گھڑی کو ان کے حصے میں بھی آجاتی تھیں۔ جہاں دو چار باتیں کیں اور نیند کی جمائیاں آنی شروع ہوئیں۔ اور یہ جھٹ خواب گاہ میں در آمد۔ لوگ تو اسے مثل کہتے ہیں کہ چراغ میں بتی پڑی اللہ رکھی تخت چڑھی۔ مگر انھوں نے اصل کر دی تھی۔ چڑیاں بسیرے کے لیے درختوں پر اکٹھی ہوئیں۔ انھوں نے انکی چوں چوں کو انا پیاری کی لوری سمجھ کر پلنگ کی طیاری کی۔ اُٹھتے اُٹھتے چراغ جل گئے۔ یہ آتے ہی سُکھ سیج پر دراز ہوئیں۔ ادھر چپّی والیوں میں سے کسی نے تلوے سہلانے شروع کیے۔ کوئی کانوں کی لویں کھنچانے لگی۔ کسی نے پولے پولے ہاتوں سے سر کریدنا شروع کیا۔ کوئی آنکھوں کے پپوٹوں دونو رخسارو اور ماتھے پر میٹھی میٹھی گدگدیاں کرنے لگی۔ ایک نے کہانی چھیڑی۔ دوسری پہیلیاں لے بیٹھی۔ تھوڑی دیر تک تو بیگم صاحبہ ہُنکارا بھرتی رہیں۔ پھر ایک دفعہ ہی جو مُردوں سے شرط باندھ کر سوئیں تو صبح کے دس بجے کی خبر لائیں۔ اس میں اگر کوئی چلنے پھرنے کا خواب دیکھ لیا تو پڑے ہی پڑے تھک

گئیں۔ کیسا اُٹھنا اور کہاں کا جاگنا۔ پھر تو دن بھر باؤں وبولاتے گزر جاتا۔ خدا کا شکر تھا کہ پاؤں میں چھالے نہ پڑتے تھے ورنہ خدا جانے کیا آفت آتی۔ غرض باری دارنیاں رات بھر باری باری سے جاگتی رہیں۔ جب صبح ہوئی۔ تو ان کی جگہ اور آگئیں۔ کوئی پنکھا لے بیٹھی۔ کوئی چنور ہلانے لگی کہ کب دس بجیں اور کب ہماری نجات ہو خدا خدا کرکے جب دس بجنے کو آئے تو جگانے والیاں چلیں۔ یہ تو کس کی مجال تھی کہ بیگم صاحب کو جھنجوڑے یا اتنا کہدے کہ اُٹھیے صبح ہوئی۔ مگر اس کے بجائے انھوں نے چہچی کرنی شروع کی۔ ان کے دل کو بھی خبر ہوئی کہ شاید فجر ہوگئی۔ دن نکل آیا جو یہ میری نیند کی دشمنیں اُٹھانے آئیں۔ یہ بھی ادھر اُدھر کی کروٹیں لیتے لیتے ایک دفعہ ہی الا اللہ کرکے اُٹھ بیٹھیں۔ دو چار انگڑائیاں لیکر کہا۔ چلمچی آفتابہ حاضر ہے؟ باندیاں بولیں۔ بلاؤں۔ ایک چلمچی آفتاوہ، سابن (صابون) منجن، رومال۔ دستمال۔ سب کچھ موجود ہے۔ آپ ذرا چلمچی کی طرف مونھ کرلیں۔ ہم سب ابھی مونھ ہات دُھلا کر اپنی بیوی کو پان کھلاتے اور دُلھن بنا کر بٹھا دیتے ہیں۔ غرض سیکڑوں نکتوڑوں سے اپا ہجوں کی طرح مونھ دھویا۔ سُرمہ لگایا۔ کنگھی چوٹی ہوئی۔ دو سہیلیوں کے کندھوں پر ہات رکھا۔ امّاں جان کے دالان میں صبح کا آداب بجانے چلیں۔ پیچھے سے باندیوں نے پائینچے سنبھالے۔ قدم قدم پر اللہ بسم اللہ ہوتی گئی۔ (برابر والیوں نے یہ باتیں دیکھتے دیکھتے آپس میں بی راحت زمانی کا نام ہی اللہ بسم اللہ رکھدیا تھا۔ اور کبھی اختصاراً صرف بسم اللہ ہی کہنے پر اکتفا کرتی تھیں) وہاں پہنچتے ہی اماں جان نے گلے سے

لگایا چپکے سے کمرے میں لے گئیں ناشتا کرایا اور باہر آ کر کہنے لگیں "خدا جانے بچّی کی بھوک کو کون لے گیا ہے۔ نہیں معلوم پیٹ میں چیونٹے کی گرہ ہے یا کیا آفت ہے؟ کہ پورا ایک نوالہ تو کھایا جاتا ہی نہیں۔ اللہ رکھے دوپہر کو دسترخوان پر بیٹھیں گی تو اسی طرح نام گنا کر کھڑی ہو جائینگی۔ پھول سونگھ کر رہتے انہیں کو دیکھا ہے۔ دیکھیے یہ بچی کیونکر جیتی ہے۔ آدمی اَن کا کیڑا ہے۔ جب اُسکے پیٹ میں پیسہ بھر اَناج ہی نہ گیا تو کیا خاک جیئے گا"۔ اس پر لڑکی ناک چڑھا کر بولی۔ "اچھی امّاں جان میں کوئی ہوکن ہوں؟ باہر کی گنواری ہوں؟ گائے بھینس ہوں؟ کون ہوں؟ جو آپ کے خوش کرنے کو پیٹ سے زیادہ کھا لوں۔ جتنا آدمی کا قاعدہ ہے کھا لیا۔ مگر تمھیں تو ایک بات کی چھینی لگ جاتی ہے۔ کیا کرو اپنی عادت سے ناچار ہو"۔ یہ سُنتے ہی انّا، دَدا، چھوچھو، سُگھڑ بھلائی جا کر بولیں۔ کہ بیگم امّاں جان کا کہنا کچھ جھوٹ تھوڑا ہی ہے؟ خدا رکھے تمھاری بھوک کچھ بھی نہیں۔ ہمساری بوڑھی جُروائیں بھی تو ڈیڑھ پا اناج چاٹ کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ اور تمھاری تو خدا رکھے ابھی بالی عمر ہے۔ ہمیں تو اس عمر میں کھانے کھیلنے کے سوا دوسرا کام ہی نہ تھا۔ ہر وقت چھینکے پر نظر رہتی تھی"۔ لڑکی بولی ہیں! ڈیڑھ پا اناج کھانا کوئی آدمیت میں داخل ہے۔ یہ تو گائے بھینس کی خوراک ہوئی"۔ غرض یہ باتیں ہوتے ہوتے کھانے کا وقت آ گیا سہیلیاں بیٹھی مُونھ دیکھا کیں کہ یہ باتیں ہی کس مصرف کی ہیں۔ دسترخوان بچھا۔ سارا کنبہ بھر کر کھانے بیٹھا۔ کھاتے کھاتے صاحبزادی کو نیند کی جمائیاں آنی شروع ہوئیں۔ کہ امّاں ہمیں تو نیند آتی ہے۔ کچھ ہاتھ دھوئے اور کچھ

نہ دھوئے۔ جھٹ پلنگ پر دراز ہوئیں۔ دوپہر کی سوئی سوئی شام کے پانچ
بجے اٹھیں۔ گھنٹہ بھر تک تیوری چڑھی اور طبیعت بگڑی رہی۔ پھر مونھ ہات
دھو کر شام کا کھانا کھا رات کے سونے کی تیاری کی۔ بقول شخصے کہ ؎

صبح ہوتی ہی شام ہوتی ہی — عمر یوں ہی تمام ہوتی ہی

جب راحت زمانی کی سہیلیوں اور ہمجولیوں نے دیکھا۔ کہ ہم تو دو دو تین
تین پہیے ڈولی سے ان کے ساتھ کھیلنے اپنے پڑھنے لکھنے اور سینا پرونا سیکھنے
کو آتے ہیں سو ان کی اماں تو بے شک خاطر کے مارے بچھی جاتی ہیں۔ مگر اُستانی
جی کا یہ حال ہی کہ جن کے دم کی انہیں تنخواہ ملتی ہی اُن کے نہ پڑھنے سے کچھ بھی
ہماری طرف توجہ نہیں کرتیں اور نہ بی مغلانی ہی خطرے میں لاتی ہیں ہم
کب تک خالی رہیں۔ اور کہاں تک اپنے ماں باپ سے چھپائے جائیں انہیں
سے ایک بولی کہ بُوا میری اماں جان تو آج کئی کئی دن سے کہہ رہی ہیں
کہ میں تو اپنی بچی کو وہاں سے اٹھا لوں گی۔ پرسوں کا ذکر ہی کہ ننھے بھائی کا
کرتا چھانٹنے کو دیا میں نے شیخی کے مارے لے تو لیا مگر چھوٹے مونھ سے یہ
نہ نکلا۔ کہ مجھ کم بخت کو کترنا کیا سوئی پکڑنی بھی ابھی تک نہیں آتی۔ جھٹ قینچی
چلا گلہری کی طرح گودڑ کر کے رکھ دیا۔ کپڑا ابھی کچھ گھٹ کا نہ تھا۔ یہی موئی ادھی
ساسن لیٹ تھی جو ابھی نئی نئی چلی ہی غرض جب کپڑے کا ستیاناس ہو گیا اور
میں ڈر کے مارے چھپی بیٹھی رہی تو خفا ہوتی ہوئی میرے پاس آئیں اور کہا۔
کہ تیرے وہاں جانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ ایسی ہی پڑھنے میں خاک اُڑائی ہوگی
باپ کو آنے دے تیری پیسے پر دھڑ کے بوٹیاں اُڑاوں تو سہی۔ آج تو ہے اور

میں ہوں"۔ غرض خدا خدا کر کے اُسنے پیچھا چھڑایا" دوسری نے کہا کہ "یوں تو میری امّاں جان بھی بہت سی دفعہ خفا ہو چکی ہیں۔ ایک روز کا ذکر ہی کہ ہماری ہمسائی کی چھوٹی بیٹی صغرا بیگم گزر گئی۔ لڑکیوں نے کہا "اُئیں کون سی صغرا؟ وہی تو نہیں جو ہات مٹکا مٹکا اور بھویں چمکا چمکا کر باتیں کرتی تھی" اُس نے کہا" ہاں ہاں وہی۔ اُس جان ہار کی باتیں ہی غضب کی تھیں۔ اُس کا بن سنور کر گاؤ تکیہ سے لگ کر بیٹھنا۔ ٹھوڑی پر ہات رکھ کر ادھر اُدھر دیکھنا۔ ڈھیلے پائینچے اُٹھائے اُٹھائے پھرنا۔ کیسا بھلا لگتا تھا۔ نگوڑی تھی تو چار برس کی جان۔ مگر باتیں دُنیا جہان کی کرتی تھی" اچھی اُس کی ماں کا کیا درجہ ہوا ہوگا؟ تم ماں کو پوچھتی ہو ماں تو ماں باپ کا یہ حال تھا کہ کھڑے پچھاڑیں کھاتا تھا اور اب تک جب دیکھو جب روتا ہوا گھر میں قدم رکھتا ہی۔ ماں اُس کی ایک ایک چیز چھپاتی پھرتی ہی۔ لیکن پھر بھی جب صغرا کی کسی چیز پر نظر جا پڑتی ہی تو گھڑیوں اُسے دیکھ دیکھ کر بے چارہ روتا اور کہتا ہی کہ "ہائے یہ چیز تو رہ جائے اور میری صغرا نہ رہے"۔ بُوا ان باتوں کو سُن سُنکر کلیجہ پھٹتا ہی۔ جانے بھی دو جو گیا وہ کوئی پھر کر تھوڑا ہی آتا ہی خدا اُس کے ماں باپ کو صبر دے۔ ہاں پھر کیا ہوا۔ پھر یہ ہوا کہ وہ بے چاری نہلانے والی کے نہ ملنے سے حیران و پریشان تھیں کہ اتنی چھوٹے بچے کو کیوں کر نہلاتے اور کفناتے ہیں۔ نہ کپڑے کا انداز معلوم تھا کہ جلدی سے کسی آدمی کو بھیج کر منگا لیں اور نہ نہلانے کی چیزوں کی خبر تھی۔ لڑکی کا باپ نوکری پر گیا ہوا تھا۔ کب تو وہ بے چارہ آتا اور کب یہ سامان کرتا۔ میری اماں جان ان کو حیران دیکھ کر ابّا کی ایک کتاب اُٹھا لائیں۔ اور کہا بیٹی دیکھ تو اس میں چار برس کی لڑکی

کے نہلانے اور کفنانے کی کیا شرطیں لکھی ہیں۔ ذرا ہمسائی کو سمجھا دے۔ تیرا باپ محلے والوں کو اسی کتاب میں سے دیکھکر بتایا کرتا ہی۔ سو بُوا میں نے ان پھوٹی آنکھوں سے ساری کتاب اُلٹ ڈالی مگر مجھ کو پتہ نہ ملا کہ لڑکے کو کس طرح نہلانا چاہیئے حالانکہ اُس کا نام رسالہ تجہیز و تکفین لکھا ہوا تھا۔ اس پر جھنجلا کر وہ کتاب میرے سر سے ماری اور کہا کہ بڑی صاحب نصیب بچی ہی جسے چار برس پڑھتے ہوئے اور آج تک حرف اُٹھانا نہ آیا۔ جب ابّا جان آئے تو اُن سے بھی میری شکایت کی وہ بھی بہت جھنجلائے۔ اور کہا یہ تو میں جانتا ہوں کہ ہمارے ہاں کوئی خاص کتاب اب تک ایسی نہیں ہی جس میں عورتوں کے متعلق تمام مسئلے مسائل ایک جگہ جمع ہوں اور مستورات کو جب کسی امر کی ضرورت پڑے وہ آپ دیکھ بھال لیا کریں لیکن اس تمھاری لاڈو کو تھوڑی سی شُدبد ہوتی تو یہ کچھ مشکل بات نہ تھی۔ اے لو میں ابھی نکال کر دکھا دیتا ہوں یہ کہتے ہی کتاب میں نکال کر مجھے دکھا دیا کہ اب تو سوجھ یہ کیا لکھا ہی" میں اپنا سا موںھ لے کر رہ گئی۔ اس پر کہنے لگے اس سے صاف ظاہر ہی کہ وہاں کچھ لکھتی ہی نہ پڑھتی ہی۔ یوں ہی عمر گنوانے کو جاتی ہے اب میں آپ پڑھایا کروں گا۔ اوروں کو کیا غرض پڑی ہی جو پرائے بچے پر محنت کریں۔ ہاں خدمت لینے کو تو سب موجود ہو جاتے ہیں۔" سو بُوا ہم تو اب اُٹھنگے آج اُٹھے تو اور کل اُٹھے تو۔ تیسری لڑکی بولی کہ خیر بُوا انھیں تو سونے سے فرصت نہیں جہاں خدا نے اور سیکڑوں لونڈیاں باندیاں دے رکھی ہیں۔ وہاں ایک بن داموں کی لونڈی نیند بھی دے دی ہی کہ جب دیکھو جب بی راحت کے سامنے ہات باندھے کھڑی ہی۔ مگر میں پوچھتی ہوں اُستانی جی کا کام پڑھانا

بی مغلانی کا سینا پرونا سکھانا ہی۔ یہ اپنا فرض کیوں نہیں ادا کرتیں"۔ چوتھی بولی جب اُن کی سرکار ہی کچھ نہ بولیں تو ان کی بلا کو غرض پڑی ہی جو اپنی بھلی چنگی جان کو تکلیف دیں اور گھنٹے دو گھنٹے ہمارے ساتھ اپنا سر ماریں"۔ پانچویں جو اُن سب میں ذرا چرباک دیدہ اور طبیعت کی چُلبلی تھی سُن کر کہنے لگی کہ "بُوا ہم نے تو بی راحت زمانی کے آٹھ پہر سونے پر ایک گیت جوڑا ہی۔ آؤ چلو جھولے پر چل کر گائیں۔ کبھی تو اُن کے کان یہ بھنک پڑے گی۔ اگر اس طرح کام نکل آئے تو کیوں یہاں سے اُٹھیں"۔ سب نے کہا کہ "یہ بات تو ہم کو بھی پسند آئی۔ ہم بھی ایک ایک گیت بنائینگے اگر اُنھوں نے سونا کم کر دیا اور ہمارے سارے کام ہونے لگے تو اس سے کیا بہتر ہی۔ نہیں تو ہم سب ایک دن اپنے اپنے گھر بیٹھ ہی رہیں گے۔ کہاں تک ان باتوں پر خاک ڈالیں گے"۔ یہ باتیں کرتی ہوئیں جھولے کی طرف گئیں۔ دو آمنے سامنے جھولے پر بیٹھیں۔ دو اِدھر اُدھر جھونٹے دینے کھڑی ہو گئیں ایک اُنکے برابر کھڑی رہی۔ اور خوب لہک کر یہ گیت ملہار میں گانا شروع کیا۔ نیا گیت سُنکر اِدھر اُدھر کی لڑکیاں بھی اکٹھی ہو گئیں اور گھر گھر اس بات کا چرچا ہونے لگا۔

نیند کا گیت

کہاں ہو ری نندیا تو سُکھ کی نشانی　　　بلاتی ہیں چل تجھ کو راحت زمانی
نہیں کام دن رات سونے سے جب تک　　　تو جاتی ہی کیوں اور کے گھر دوانی

جب بڑی دیر تک یہ گیت گا کر محلّہ جگا چکیں تو ایک لڑکی کہنے لگی کہ "بُوا ساری

باتیں ٹھیک ہیں مگر ہم تو اس عمر کی نیند کو دُکھ کی نشانی جانتے ہیں۔ تم نے سُکھ کی نشانی کیونکر جوڑ لیا۔ دیکھو جب سو کر اُٹھتے ہیں تو کیسی طبیعت بگڑی ہوئی ہوتی ہے۔ پہروں میں مزاج سامان میں آتا ہے۔ بلکہ جاڑوں اور برسات کے دنوں میں تو دن کے سونے سے بخار کی سی حرارت ہو جایا کرتی ہے۔ بہت سونے والا موٹا بھپّس ہو جاتا ہے۔ ہمارے ابّا جان کا قول ہے کہ بلغم اسی سے پیدا ہوتا ہے اور سارے جہان کی سُستی اس سونے ہی سے آتی ہے۔ اچھا بچّھا آدمی دُکھ کی پوٹ بن جاتا ہے۔ آج نزلہ ہے کل زکام ہے۔ پرسوں کھانسی ہے۔ یہ ساری خرابیاں سونے کی ہیں۔ زیادہ سونے سے ایک وقت ہی ضائع نہیں ہوتا بلکہ دماغ کی قوتیں بھی کُند ہو جاتی ہیں۔ طبّی کتابوں میں لکھا ہے کہ سونے کا عادی اگر عمدہ غذا کھانے والا ہے تو اُس کا پیٹ بڑھ جائے گا بدن ڈھیلا ہو جائے گا ساری چستی و چالاکی خاک میں ملکر سخت محنت کے قابل نہ رہے گا اور جو غریب آدمی ہے تو دنیا کے کام دھندوں سے جاتا رہے گا۔ البتہ نیند کی مقدار میں ہر عمر اور ہر حالت کے موافق اختلاف ہے۔ مثلاً بچپن میں چھ برس کی عمر تک جوان سے زیادہ سونا چاہیے اور دس بارہ گھنٹے سے کم سونا اُن کو نقصان کرتا ہے۔ اسی لیے کچّی نیند میں بچّوں کو اُٹھا دینا نہایت مضر ہوتا ہے۔ تن درست جوانوں کے واسطے جو سخت محنت نہیں کرتے ہیں چھ سات گھنٹے سے زیادہ سونا مفید نہیں ہے۔ ہاں جو دماغی محنت زیادہ کرتے ہیں اُن کے حق میں زیادہ سونا اچھا ہے۔ کیونکہ دماغی محنت دماغ کو خصوصاً اور کُل جسم کو عموماً کمزور کر دیتی ہے۔ اگر یہ آرام لیکر اپنی صرف شدہ قوت کو جمع نہ کرلیں تو جلد بیمار پڑ جائیں۔ اسی طرح حالت

ضعف میں یعنی بیماری سے اُٹھنے کے بعد آٹھ گھنٹے یا اس سے زیادہ سونا مضر نہیں ہی۔ کیونکہ بیماری کے باعث جس قدر بدن کا نقصان ہوا ہی وہ اس سے پُورا ہو جاتا ہی۔ علیٰ ہذالقیاس پیٹ والیوں اور بچّے والیوں کو بھی زیادہ سونا چاہیئے کیونکہ ان کے بدن کی پرورش سے دوسرے کے بدن کی پرورش ہوتی ہے یا تھکا ہوا آدمی جو منزلیں طے کر کے آیا ہو اُسے تکان اُتارنے کے واسطے زیادہ سونا چاہیے نہ کہ ہم جیسی ہٹی کٹی لڑکیوں کو۔ اب بتاؤ ہماری نیند سکھ کی نشانی کیونکر ہوئی۔ اگر تم بوڑھوں اور کمزوروں، بیماروں اور تھکے ماندوں کو کہتیں تو کچھ مضائقہ نہ تھا جن پر تم نے یہ گیت جوڑا ہی وہ تو خدا کے فضل سے تن تندرست اور پُوری جوان ہیں۔ یہ موا سونا کیا ہوا اس نے تو لوہے کی قدر بھی نہ رکھی اس پر گیت بنانے والی لڑکی بولی کہ بُوا میں کوئی حکیم نہیں حکیم کی بچّی نہیں۔ تمہارے ابا حکیم ہیں وہ ان باتوں کو جانتے ہوں گے۔ اور اگر بالفرض میں ان باتوں کو جانتی تو بھی یہ لفظ اپنے گیت میں نہ باندھتی۔ کیونکہ اُنکی اماں جان اور سارے گھر سے مجھے بیر باندھنا ہوتا تو اس بات کو مونھ سے نکالتی۔ وہ اس گیت کو سُن کر صاف کہدیتیں کہ یہ ہماری بچّی کی بدخواہ اور جانی دشمن ہی۔ ہاں کسی اور کے نام سے ہوتا تو کچھ اندیشہ نہ تھا۔" اُس نے کہا ہاں بُوا تم بھی سچ کہتی ہو۔ ہم لوگوں کے اس وہم نے ہی تو سارے کام بگاڑ رکھے ہیں۔ اور اوپر سے ان باتوں کا چھپا مارنا سہانا سَس ملائے دیتا ہی" غرض اب سونے کا چرچا شروع ہوا اور روز بروز نی راحت زمانی پر مُونھ چڑھنے لگے۔ جن لڑکیوں نے کہا تھا کہ ہم بھی اُنکے سونے پر گیت جوڑیں گے اُن میں اتنی لیاقت تو کہاں تھی۔ مگر ہاں کوئی اپنے

بھائی سے کوئی اپنے باپ سے بی راحت زمانی کا فرضی نام ڈلواکر شعر
کہلوالائیں اور کہا جب ان کا اصلی نام ہی نہیں ہو تو سنانے میں بھی کیا حرج ہو
ایک دن اُن کو بٹھاکر سنا بھی دینگے۔ یہی ہوگا نا کہ خفا ہو جائیں گی سو ہمارا کیا
کریں گی چار روٹیاں سوا کھائیں گی۔ راجا روٹھے گا اپنی نگری لے گا۔ ہمارے
ماں باپ اور ہمارا گھر سلامت رہے۔ وہ اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش۔ کوئی
مال میں مست کوئی کھال میں مست"۔ پہلے دن بی شاہ جہاں بیگم اپنے بھائی سے
ایک رباعی بنوا کر لائیں اور انھوں نے اپنی سب سہیلیوں کو بٹھا کر یہ رباعی سنائی۔

رُباعی

ہرگز مری آنکھوں کو نہیں تیری چاہ — اے نیند ہوئی ہو کس لیے تو گمراہ
کیوں غیر جگہ بھٹکتی پھرتی ہے تو — جا تجھ کو بلاتی ہیں بوا بسم اللہ

اسے سنکر سب خوش ہوئیں اور کہا کہ "چلو بی راحت زمانی کو بھی سنائیں
مگر خلیفہ محمودی بیگم نے کہا "بوا ابھی موقع نہیں ہو۔ ذرا چھری تلے دم لو ایک اور
ترکیب سے سنائیں گے اور یوں جو سناؤ گی تو وہ جانیں گی کہ میرے چھیڑنے
کو یہ شعر جوڑے ہیں" نورجہاں نے کہا میرے ابّا جان نے بھی آج کا وعدہ
کیا ہو۔ میں اُن کو یہ شعر دکھا کر کہوں گی کہ اے لو شاہ جہاں بیگم کے بھائی نے
تو یہ شعر کہہ بھی دیے اور آپ نے ابھی تک سوچے نہیں"۔ سب نے کہا اچھا ان
کے شعر بھی آجانے دو۔ ایسی کہاں کی جلدی ماری جاتی ہو کہ جو کچھ ہو ابھی ہو۔"
غرض دوسرے روز اسی انداز پر بی نورجہاں بھی دو تک جڑوا لائیں۔ اور
انھوں نے سب کو بٹھاکر یہ رباعی پڑھی۔

رُباعی

"غمزدوں کو کہاں پڑی ہے نیند
عیش کے بندوں کو بڑی ہے نیند
نہیں محتاجِ خواب بسم اللہ
ہات باندہے ہوئے کھڑی ہے نیند"

اس رباعی کی بھی واہ واہ ہوئی اور یہ صلاح ٹھہری کہ پہلے بی راحت کی اماں جان کو سُناؤ اور یوں کہو کہ" دیکھنا راحت زمانی کی اماں کسی نے کیا اچھے شعر جوڑے ہیں۔ اچھی اُستانی جی سے کہدو گی؟ کہ ہمیں یاد کروا دیں؟ اس پر دیکھو تو وہ کیا کہتی ہیں"؟ غرض سب مل کر ان کی والدہ کے پاس گئیں اور سب نے ایک موہنہ ہو کر یہی کہا اُنھوں نے اُستانی جی کو بلوا کر کہا کہ" استانی جی دیکھو تو تمھاری شاگردنیں کیا لکھوا کر لائی ہیں۔ اگر کام کی بات ہو تو انھیں یاد کرواؤ اُستانی جی نے جوں ہی شعروں کو دیکھا ہنسنے لگیں راحت زمانی کی امّاں نے کہا" اچھیّ کا غذ نہ ہوا مُوا زعفران کا کھیت ہوا جو تم آپ ہی آپ ہنسنے لگیں۔ بھلا پڑہنے اور ہنسنے سے کیا تعلق"۔ اُستانی جی نے کہا" حضرت اس کھیت کی ہوا آپ کو بھی ہنسا دے گی۔ آپ نہ سُنیں۔ یہ لڑکیاں کاہے کو ہیں غضب نیں ہیں" یہ بات سُنکر راحت کی اماں کو اور بھی شوق پیدا ہوا اور کہا کہ" اب تو سُنا ہی دو" اُستانی جی نے دونوں رباعیاں پڑہ کر سُنائیں ان کا سُننا تھا کہ راحت زمانی کی امّاں کے پیٹ میں بل پڑنا۔ اب اُستانی جی کی بن آئی کہا۔ بیگم صاحب ہنسنے کی سہی نہیں ہی۔ دیوار قہقہہ نہ بنئیے۔ آپ تو مجھی کو کہتی تھیں۔ اب خود کیوں ہنسی کے مارے لوٹی جاتی ہیں" انھوں نے کہا کہ بُوا بات ہی نگوڑیاں ایسی نکال کر لائی ہیں۔ یہ شعر تو تم میری راحت کو بھی یاد کروا دو بلکہ اُس کے باپ کو بھی سُنا دو

شاید انہی سے اُسے غیرت آئے اور وہ اتنا سونا چھوڑ دے۔ مجھے تو اس کا سونا اجیرن ہو گیا۔ مگر کیا کروں اگر کسی روز ذرا بھی اس بات کا ذکر چھیڑ دیتی ہوں تو لڑکی میری صورت سے بیزار ہو جاتی ہی اور چار چار دن کھانا نہیں کھاتی اور پرسے ان کے باوا جان اور ماموں میاں پینے کو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بلکہ انھوں ہی نے پرچک[1] دے دے کر اتنا سر پر چڑھا دیا ہی کہ کوئی موںھ سے بھاپ نہ نکالے۔ لڑکی سوئے تو سونے دو۔ جب گھر بار کی ہو گی اور اُس پر بوجھ پڑے گا تو آپ سیدھی ہو جائیگی نگوڑی میری مامتا بھی نہیں مانتی کہ میں راحت کا دل میلا کروں۔ ہاں آپ ہی چھوڑ دے تو اس سے بہتر کوئی بات نہیں" اُستانی جی نے کہا "اوائل عمر ہے اس عمر میں تو سویا ہی کرتے ہیں۔ اُس نے کون سی انوکھی بات کی ہی۔ یوں کہو کہ اگر تھوڑا بہت کچھ لکھ پڑھ لیں تو اپنا دل اچھی اچھی کتابوں ہی سے بہلایا کریں۔ کبھی اولیاء اللہ کا ذکر دیکھیں۔ کبھی اگلی نیک بختوں کے تذکرے پڑھیں۔ کبھی خدا و رسول کی باتیں یاد کریں۔ کبھی الف لیلہ ہی لے بیٹھیں لیکن اُن کے بدلے محنت کون کرے میں گھول کر پلا دینے سے رہی۔ ہاں دن بھر سر مارنے کو موجود ہوں اگر تب اُن کے بھاویں ہی نہ ہو تو استانی نگوڑی کیا کرے اُنھیں تو پڑھنے کے نام سے چڑ ہی۔ اس پر راحت زمانی کی والدہ نے کہا "الف لیلہ کوئی اچھی کتاب ہی۔ اُس میں تو بہتیرے ایسے قصے بھرے پڑے ہیں کہ نوج کواری لڑکی پڑھے" اُستانی جی نے کہا "اچھا قصہ چار درویش سہی"۔ وہ بولیں "یہ اُس سے بدتر ہی یوں کہو ابھی عورتوں کے قابل کتابیں ہی واجبی سی بنی ہیں۔ ان سے تو مراۃ العروس

[1] پُشتی لینا۔ حمایت لینا۔ طرفداری کرنا۔ [2] پہلے لفظ کا مرادف ہی۔ یہ دونوں خاص بیگمات کے محاورے ہیں۔ ۱۲

زینت العروس۔ جہیز بہشتی۔ ہادی النسا۔ تحریر النسا، لاکھ درجے بہتر ہیں جنھیں پڑھکر سو طرح کی عقل آتی ہے"۔ اُستانی جی نے کہا "یہی سہی کچھ پڑھیں بھی غرض تو پڑھنے سے ہے"۔ القصّہ یہ باتیں ہو کر یہ تجویز ٹھہری کہ کل راحت کو یہ رباعیاں سُنا دینا۔ مگر لڑکیوں کے پیٹ میں کب بات پچتی تھی۔ راحت زمانی کے اُٹھتے ہی دوڑ ہیں اور کہا۔ "بوا راحت کیا یاد کرو گی۔ ہم آج تمھیں ایک بڑے مزے کی بات سُنائیں گے"۔ راحت نے کہا اچھی کیا؟ تمھیں میرے سر کی قسم بتاؤ تو سہی؟ بھئی ہمارا حلوا کھاؤ جو نہ بتاؤ"۔ سہیلیوں نے کہا "آپ مونھ ہات دھو کر پان کھالیں بال سنوارلیں آدمیوں میں آئیں تو ہم سنائیں۔ اگر تم سے چھپانا منظور ہوتا تو ذکر ہی کیوں کرتے۔ سونفتے میں مزے سے بیٹھ کر سُنائیں گے۔ بتا ہی دیں وہ کیا بات ہے آٹھ شعر ہیں۔ اُستانی جی کے پاس کہیں سے آئے ہیں۔ اُنھوں نے ہمیں تمھیں سب کو یاد کرلینے کے واسطے کہا ہے ہم تو جھولے پر بھی وہ ہی گایا کریں گے سُنا ہے کوئی لڑکی بسم اللہ ہے اُس کے باپ نے اپنی بیٹی پر یہ شعر جوڑے ہیں۔" راحت زمانی بولیں تمھیں میرے سر کی قسم؟ باپ نے بیٹی پر یہ شعر بنائے ہیں؟ بوا شیر نہیں موئی لومڑیاں ہوں گی"۔ سہیلیاں بولیں "ہاں ہاں تمھارے سر کی قسم شعر ہیں۔ مگر ایسے نہیں ہیں کہ انھیں پڑھتے ہوئے شرم آئے البتہ ہنسی تو ضرور آتی ہے کیونکہ اُس نے وہ اپنی لڑکی کے چھیڑنے اور چڑانے کو بنائے ہیں"۔ "پھر بوا تم نے یاد کرلیے"۔ "ہاں ہم نے کچھ کچھ تو یاد کر بھی لیے لیکن ابھی تک اچھی طرح چیتے پر نہیں چڑھے۔ اچھا میں مونھ دھو لوں تو چلتی ہوں" جلدی جلدی کچھ مونھ دھویا کچھ نہ دھویا۔ دو چار چھینٹے مار کھڑی ہو گئیں کہ لو چلو۔" اُنھوں نے کہا "ابھی

سے وہاں کیوں جلتی ہو؟ ہم ہیں سُنا دینگے جب الگ بیٹھ کر دو چار دفعہ کہہ لیں گے تو وہاں آسانی سے یاد ہو جائیں گے اور اس میں تم سے ایک صلاح بھی کرنی ہے" غرض پانچوں چھوؤں وہیں سونے کے کمرے میں بیٹھ گئیں۔ اسوقت کی کیفیت مت پوچھو۔ بی راحت زمانی تو شوق میں بھری بیٹھی ہیں کہ کب ان کے مُونھ سے وہ شعر نکلیں اور کب میں سُنوں۔ ایک ایک منٹ بھاری ہو رہا ہے۔ لڑکیاں ہیں کہ آپس میں لڑ رہی ہیں۔ ایک کہتی ہے کہ "پہلے تم سُناؤ" دوسری کہتی ہے بُوا تمھیں کیوں نہیں سُنا دیتیں" تیسری کہتی ہے "واہ اچھی آئیں مجھی کو مُہرے پر رکھتی ہو" یہ بات سُنکر تو بی راحت کا ماتھا ٹھنکا۔ اُنھوں نے کہا تم مجھ سے ناحق چھپاتی ہو میں سمجھ گئی ہو نہ ہو کوئی میرے اوپر بات بنی ہو۔ اچھا تم قسم تو کھاؤ یہ شعر استانی جی کے پاس آئے ہیں یا تم نے کہیں سے منگائے ہیں۔ اور اگر کوئی جھوٹ بولا تو میں بھی بڑی[1] روٹی اُٹھوا کر چھوڑوں گی جو اُس کے دیدوں گھٹنوں کے آگے آئے" اسپر خلیفہ محمودی بیگم نے کہا کہ "بُوا پہلے تم سُن تو لو پیچھے ہی لڑنا جھگڑنا" غرض یہ بات ٹھری کہ پہلے بی شاہجہاں بیگم اور پھر نور جہاں بیگم سُنائیں۔ اس کے بعد جو بات سچ سچ ہو وہ کہدیں کیونکہ جھوٹ بولنا بڑا گناہ ہے الحاصل دونوں سہیلیوں نے باری باری سے وہ رباعیاں سنائیں۔ ان کے سُنتے ہی بی راحت زمانی بولیں۔ شاباش بُوا اچھوکو کہ یاد دلایا مجھ کو۔ کہو وہی بات ہوئی یا نہیں۔ یہ شعر تو لاکھوں میں میرے ہی اوپر جڑے ہیں۔ میں کمبخت کیا کروں۔ بہتیرا چاہتی ہوں کہ دو گھڑی تمھارے پاس بیٹھ کر ہنسوں بولوں یا ذرا بولوں

[1] قرآن شریف اٹھوانے سے مراد ہے۔

یاد کروں مگر میرا کچھ ایسا حال ہو گیا ہی کہ سوے بغیر چین ہی نہیں پڑتا۔ اب تم بھی سچ سچ ایمان سے کہدو" لڑکیوں نے کہا ہاں ُبنے تو تمھارے ہی اوپر ہیں۔ مگر تمھاری والدہ اور اُستانی جی کو اور کے نام سے سُنائے گئے ہیں۔ خدا نہ کرے ان سے تمھاری بُرائی مدنظر نہیں ہو فقط یہ مطلب ہی کہ اگر تمھاری سمجھ میں بھی سونے کی بُرائیاں آجائیں تو تم اتنا سونا چھوڑ دو" اس پر ایک چٹاخ چھڑا بولی کہ " یہی نہیں ایک گیت بھی خاص حضور والا کا نام لے کر بنا ہی۔ پرسوں وہ جھولے پر بھی گایا گیا اور محلے کی لڑکیوں نے بھی یاد کر لیا۔ راحت نے کہا بھئی یہ بات تم نے اچھی نہیں کی پہلے ہم سے کہہ دیتیں یا تم سب ہم کو وہ گیت سُنا لیتیں پھر ہم نہ مانتے تو گانا مناسب تھا۔ اب تو اس سے ہماری رسوائی ہوئی۔ ہمیں تو مونھ دکھانے کو جگہ نہ رہی۔ ہمسائے کی لڑکیاں دیکھیں گی وہ ہنسیں گی۔ اُستانی جی سُنیں گی تو وہ شرم دلائیں گی۔ ہمیں تو کمرے کے باہر نکلنا دشوار ہو جائے گا" سہیلیوں نے جواب دیا کہ "ہم اس کا بھی بندوبست کر دیں گے" راحت زمانی نے کہا " تو میں بھی آج ہی سے اس کی تدبیر سوچتی ہوں"۔

بی راحت زمانی یہ اقرار کر کے اس اُدھیڑبُن میں رہنے لگیں کہ اب کیا کرنا چاہیے جس سے یہ نیند کم ہو جائے مجھے تو اس کمبخت کا ایسا مزا پڑا ہی کہ کوئی روٹی کھانے کو نہ دے مگر رات دن سونے کو چھوڑ دے مُردوں کی تو کہتی نہیں لیکن جیتوں سے تو اب بھی شرط لگاتی ہوں"۔ غرض جب یہ باتیں ہو ہُوا چکیں تو حسب معمول اماں جان کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ " بی کل سے

مجھے ذرا سویرے اٹھوا دیا کرنا میں گڑیاں کھیلا کرونگی"۔ اُنھوں نے کہا "آج جب ہی دیر کر آئی ہو شاید کھیلنی شروع کر دیں" وہ بولیں کہ "ابھی تو نہیں آج تو ذرا باتوں میں لگ گئی تھی"۔ اُنھوں نے کہا "اچھا ایسے کتنے سویرے" کہا "یہی کوئی ساڑھے نو بجے حد کا درجہ پونے دس" وہ بولیں "پاؤ گھنٹے میں کیا کرو گی؟ اتنا وقت تو گڑیوں کے ڈھنگ سے لگانے اور بٹھانے ہی کو چاہیے۔ راحت زمانی نے کہا۔ کیا ہماری سہیلیوں سے اتنا بھی نہ ہوسکیگا؟ ہم تو بنے بنائے کھیل میں شریک ہو جایا کریں گے" ماں نے کہا "تم بھی سچ کہتی ہو ڈھب پڑتے ہی پڑے گا" فوراً جگانے والیوں کو بُلا کر جتا دیا کہ کل سے بیوی کو آدھ گھنٹہ پہلے جگا دیا کرنا" جب راحت زمانی دوپہر کا کھانا کھا کر سو رہیں تو اُن کی والدہ صاحبہ نے اُن کی سہیلیوں کو بُلا کر پوچھا کہ آج کیا جانی دُنیا دیکھی؟ جو تمھاری سہیلی نے اپنے دل پر اسقدر جبر کیا۔ اُنھوں نے کہا "ہم نے وہی شعر اُن کو سُنائے تھے۔ وہ بولیں کہ اُستانی جی کے سامنے لیجا کر مجھے شرمندہ نہ کرو میں آپ کوئی تدبیر نکال کر سونا کم کر دوں گی۔ اُن کی والدہ کے موُنھ سے نکلا کہ "الٰہی! تیرا شکر جو تو نے بی راحت کے دل میں اتنا ڈالا"۔ لڑکیوں نے کہا شکر کی بات تو جب ہو کہ تم اُستانی جی کو بھی منع کر دو کہ راحت زمانی کے سامنے اس امر کا ذکر تک نہ کرے۔ ہم نے اُن سے وعدہ کر لیا ہے۔ محلے کی لڑکیوں کو بھی ہم بُلا کر سمجھائے دیتے ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ اگر کسی نے میرے سامنے اس امر کا ذکر کیا تو مجھے موُنھ دکھانا مشکل پڑ جائے گا"۔ القصہ ماما کو بھیج کر ہمسائے کی لڑکیوں کو بلایا۔ اور اُنھیں بھی قسمیں دلا دیں کہ "اگر تم نے بی راحت کے سامنے اُس گیت کا ذکر کیا تو ہم سب تم سے بولنا چھوڑ دینگے"۔

بی راحت زمانی کو جو یہ دھن بندھی تو راتوں کو سوتے میں چونک چونک پڑنے لگیں ہر وقت یہی خیال رہے کہ اب تو ساڑھے نو بج گئے ہوں گے؟ (اب جہالت اور وسواس کی خوبیاں دیکھو کیا گل کھلاتی ہیں؟) باری دارنیوں نے جو دیکھا کہ بیگم سوتے سوتے چونک پڑتی ہیں تو اُن کو یہ وہم سمایا کہ خدا نہ کرے لڑکی کے دشمنوں کو کچھ اوپری خلل ہو گیا۔ جاتے ہی بی راحت زمانی کی والدہ کو جگایا اور کہا۔ بیگم صاحب ہم تو رات بھر کیا بتائیں کیا کیا باتیں دیکھتے ہیں۔ کل سے چھوٹی بیگم کے بُرا چاہنے والوں کا یہ حال ہے کہ رات میں کئی کئی دفعہ چونکتی اور بڑاتی ہیں۔ کبھی تو کہتی ہیں ہائے اب میں نہیں سوتی۔ کبھی کہتی ہیں وقت ہو گیا۔ کبھی کہتی ہیں مُرداروں کیوں جلدی جلدی سے مونھ نہیں دُھلاتیں۔ خدا جانے ان کے بُرا چیتنے والوں کو کیا ہو گیا ہے" ان کی والدہ بولیں کہ "کہیں میا بندی کے ٹھنڈے[۱] تو نہیں نکلیگی؟ ارے لوگو دوڑو! سیانے مُلّانے بُلواؤ۔ تعویذ پہناؤ۔ گنڈے ڈالو۔ اُستانی جی سے کہو پانچوں وقت نماز پڑھ کر دم کیا کریں۔ مسجد سے نمازیوں کا دم کیا ہوا پانی لائیں۔ مولوی صاحب سے کہیں اُن کا[۲] فلیتہ ایک پڑا[۳] ایک بیڑہ دھونی اور حاضرات کرو ایسا نہ ہو بچی ہات سے کھیل جائے۔ میری بچی کی نیند پر کسی کی نظر تو نہیں لگ گئی۔ ان ماما بائیوں نے کل سے اس کے سونے کی ٹلکل[۴] ڈالی تھی سو یہی دیکھ لو کیا ہو گیا؟ خدا کو مانو[۵] کہ میری بچی کے سونے کو کوئی مت ٹوکو ایک تو اس کا خون[۶] آپ ہی ہلکا ہے۔ دوسرے کوٹھے[۷] پنڈے پر ان ہوسے کی نظر

---

۱ چونک ۔ ۲ یعنی ایک شے ایک پڑا کر یا لکیر ۳ جھگڑا ۴ ... ۵ اور مہر خدا ۶ جلد اثر قبول کرنے والا۔ ۷ ... بن بیاہا ...

لگتی ہے کل کو میاں بندی بیمار پڑ جائے گی تو وہ بندی کس کی ماں کو ماں کہے گی۔ بی مغلانی ان لڑکیوں کے پاؤں تلے کی مٹی لے کر ضرور جلانا اور مرچیں اُتار کر دیکھنا کہ جلنے سے اُن میں دھانس بھی اُٹھتی ہے یا نہیں۔ دنیا کے صدقے سے اُتار ڈالو بیوی کی صحنک پریوں کی پڑیاں مانو جس سے جلد اس بچی کا چونکنا اور بھکنا جائے میں بھی اللہ میاں کے نام کی دو کوڑیاں دھو کر اٹھاتی ہوں۔ اتنا سہارا دیکھ کر بارئی زیو کی بن آئی اُنھوں نے چار باتیں جھوٹ ملا کر اور سُنا دیں کہ بیگم تو بنکارتی بھی ہیں خدا رکھے ننھی بیگم کو اپنی جان کی ذرا محافظت نہیں۔ کل ہی دونوں وقت ملتے جھولا جھولنے چلی تھیں۔ وہ تو ہم سب نے زبردستی روکا۔ سرکار بُرا نہ مانئے یہ سہیلیاں ان کی جان کے پیچھے پڑی ہیں۔ خدا جانے موئی کلھیاریاں کہاں سے آجاتی ہیں جس کو دیکھو وہی نگوڑی کلجبی۔ کلموئی۔ پچھلپائی کی خالہ ہے۔ خدا کے لیے ان کا تو آنا جانا بالکل بند کر دیجیے۔" راحت زمانی کی والدہ نے کہا "یوں تو مجھ سے آنکھوں پر ٹھیکری نہیں رکھی جاتی۔ ہاں کوئی موقع نکال کر ان سب کو چٹا دوں گی" صبح ہوتے ہی علاج معالجہ اور گنڈے تعویذ کی دوڑ ہونے لگی۔ سہیلیوں کے پاؤں کی مٹی اور مرچیں اُتار کر جلائی گئیں۔ بی مغلانی۔ اُستانی۔ انا۔ دوا نے آکر کہا کہ مٹی میں سے تو ایسی چراند آئی جیسے کوئی مُردہ جلتا ہے۔ اور مرچوں میں سے تو نام کو بھی دھانس نہیں اُٹھی۔ بے شک جہاں اور باتیں ہیں وہاں ان کی نظر بھی ضرور ہوئی ہے ہم نے بارہا کہا۔"

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو ‏ ‏ ‏ یہی ایک چاہ میں بچی رہی ہے

ؔله کلکل کرنے والی۔ ۱۲ ؔ؎ کالی زبان والی جس کا کوسا لگ جائے۔ ۱۲

گرو۔ کسں کی سُنتی ہیں ہمیں تو اس طرح ہنسی میں اُڑا دیتی ہیں جیسے کوئی کسی مسخرہ کو۔ اوپر سے چھوٹی بیگم اُن کے ساتھ ہو جاتی ہیں ہم تو اسی دن کو پیٹتے تھے خیر خدا بھلا چاہے کسی کے بُرا چاہنے سے کیا ہوتا ہے جسے خدا بچائے اُسے کون ستائے۔ انشاءاللہ تعالیٰ اب اچھی ہو جائینگی"۔ صبح کو راحت زمانی جب اپنے معمول کے موافق سو کر اٹھیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ ایک ادھر سے آتی ہے موتھ دیکھ کر چلی جاتی ہے ایک اُدھر سے آتی ہے سر سے پاؤں تک تتر ڈال جاتی ہے۔ کوئی تعویذ لیے کھڑی ہے۔ کسی کے ہات میں گنڈا ہے۔ کوئی کہتی ہے "بیوی پہلے یہ ذرا سا دم کیا ہوا پانی پی لو پیچھے موتھ ہات دھونا کلام میں بڑی برکت ہے" کوئی پوچھتی ہے۔ اچھی بیگم میں صدقے ہو کر مر جاؤں۔ تمھاری بلائیں لوں۔ رات کو کیا دکھائی دیا تھا"۔ انا جان کھڑی خدا خوشامد کر رہی ہیں کہ "ہماری بیٹی ہو گی تو سچ سچ کہدیگی بنو۔ رات کو کیوں چونک پڑی تھیں سچ تو بتاؤ تمھارے سر پر کون بولتا تھا"۔ لڑکی نے دیکھا کہ یہ تو مضمون ہی دوسرا ہے ٹم کو لے رہی اور ایک بات کا بھی جواب نہ دیا۔ یہ حال دیکھ کر ادھر سے انا ادھر سے کوکا۔ دوا بولیں۔ کہ کم بخت بولنے بھی تو نہیں دیتا یہ تو کوئی بڑا ہی زبردست ہے کہ لڑکی موتھ سے بولے نہ سر سے کھیلے"۔ یہ سُنکر راحت زمانی کو بے اختیار ہنسی آگئی۔ اس پر سب کو اور بھی یقین ہو گیا کہ بے شک لڑکی کو آسیب کا خلل ہے۔ "دیکھو ناخواہ مخواہ ہنسے جاتی ہے۔ اسے کچھ بھی خیال ہے۔ ابھی کوئی بیٹھک دے تو معلوم ہو جائے کہ ماموں اللہ بخش ہیں۔ میاں زین خاں ہیں۔ یا کوئی پلید ہے"۔ راحت زمانی کی والدہ

لے خاموش ہو رہی۔۱۲

بولیں کہ بیٹھک تو میں ضرور ہی دونگی۔ کوئی امام کی گلی والی سیدانی اور عمدہ
ڈومنی کو بُلا دے تو میں ابھی پھول نوبان سہرا بدھی۔ سنگار کا سامان منگا کر اُن
کے حوالے کروں"۔ (ہزار کوئی سیانے لائے کوئی بُلائے کوئی کھلائے، جیسے کہ
آسیب وہم کا ہو نہ مونھ سے بولے نہ سر سے کھیلے) بی کھلائی بولیں کہ ہم تو جانیں کوئی
ایسا ہی ویسا ہی ناحق بکھیڑا کرتی ہو۔ خدانخواستہ ان دونوں میں سے کوئی ہوتا تو ابھی
آنکھیں لال پیلی کر کے بیوی کو تماشا دکھا دیتا۔ لڑکی بھی سیکڑوں ٹھنیاں کھاتی اور
ہم بڑہ بڑہ کر بولنے والیوں کی بھی شامت آجاتی۔ خدا پر نظر رکھو۔ کچھ ڈر نہیں اللہ رکھے
لڑکی خاصی بھلی چنگی ہو۔ ہم لوگوں کے پھیپڑ ٹولا لیے اُسے ہنسی دلواتے ہیں۔ چونکہ
کو جو کہو تو بڑے بڑے خواب دیکھکر چونک پڑا کرتے ہیں۔ ان کی تو ابھی بالی عمر ہے"
ننھے ننھے" دودھ پیتے بچے جو سوتے میں ہنسنے اور رونے کا مونھ بنایا کرتے ہیں
کیا وہاں بھی ماموں الہ بخش اور میاں زین خاں ہی پہنچا کرتے ہیں" (صاحبان ہنود کے
عقائد کا مسلمانوں میں اثر دیکھو) دوا بولی" بی تم نے اپنی عمر کہاں کھوئی اُن کو تو
بہاتی ہنسایا کرتی ہے۔ اُس کا کام یہی ہے کہ بچوں کو کبھی ہنسائے کبھی رُلائے" کھلائی
بولی۔ اچھی۔ بہائی کس چیز کا نام ہے؟ وہ تو ہندوں کی فرضی ماتا ہے۔ بہت دنوں
کا ذکر ہے جب میں اپنی بیگم کو کھلایا کرتی تھی تو میں نے ایک دن حکیم احسن اللہ خاں
صاحب سے پوچھا تھا کہ اچھے حکیم جی بچے سوتے میں ہنستے اور روتے کیوں ہیں؟
اُنھوں نے کہا کہ جس طرح بڑوں کو خواب دکھائی دیتا ہے اسی طرح بچوں کو بھی خواب

---

[۱] خوشامد کی باتیں ۱۲ [۲] ہنود صاحبوں کے ہاں اسے بہ ماتا کہتے اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اسکا کام بچوں کو کھلانا ہے
[۳] حکما حاذق کا قول ہے کہ صحیح المزاج آدمی کبھی خواب نہیں دیکھتا۔ کیونکہ صحیح المزاجی کی بڑی علامت یہی ہے۔ کہ

ہوتا ہی۔ اسی کو دیکھ کر ہنسنے اور بسورنے کی شکل بنا لیتے ہیں۔ ڈراؤنا خواب دیکھا رونے کی صورت بنالی اچھا خواب دیکھا ہنسنے کی شکل بنالی"۔ دوا نے کہا "واہ حکیم جی سے کہو اپنی عقل کے ناخن لیں ہم نے بڑوں سے یہی سُنا ہی کہ جب بہائی کہتی ہو کہ تیری ماں مرگئی تو بچّہ رونے کی شکل بنا لیتا ہو اور جب وہ کہتی ہو کہ نہیں نہیں جیتی ہو تو ہنسنے لگتا ہو"۔ اس پر کھلائی نے کہا "آپ کی بھی عقل کے قربان جائیے بچّے کو اتنی سمجھ ہی کہاں ہوتی ہو؟ کہ وہ مرنے کے غم اور جینے کی خوشی کو سمجھے یہ سارے جنجال تو سمجھ کے ساتھ ہیں"۔ دوا یہ سُنتے ہی جھلّا کر اُٹھ کھڑی ہوئی کہ "چل میں تیرے مُونھ نہیں لگتی، تو بھی کوئی آدمی ہو اگر بچّے کو سمجھ نہیں ہوتی تو ماں کی بو کوئی اور پہچان کر اُسے غیر کی گود میں سے اُتروا دیتا ہو؟ کھلائی نے کہا یہ بات دوسری ہو۔ کبھی تم ہوش میں آؤگی تو سمجھا دوں گی"۔ آج تو اتنا ہی ذکر چھڑ کر بات آئی گئی ہوئی لیکن آگے اس کے بڑے بڑے تبنگڑے بنے۔ غرض اس لاڈ پیار میں تیرہ برس تو گزر چکے تھے۔ کل کو چودھواں بھر کر پندرھواں شروع ہو جاتا۔ پھر گھر کے دھندے میں ایسی پڑتیں کہ دین کی خبر رہتی نہ دنیا کی۔ اماں کی لوری دینے کو یاد کرتیں اور پچھتاتیں کہ ہائے وہ بھی کیا زمانہ تھا جو اماں میٹھی میٹھی زبان سے پیارے پیارے بولوں میں سُنایا کرتی تھی۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱۔ سونے کے وقت سے اُٹھنے کے وقت تک مطلق خبر نہ ہو مگر چونکہ صحیح المزاج ہونا ایک ناممکن امر ہی اس سبب سے تھوڑی سی بے اعتدالی بھی موجب خواب ہوتی ہی۔ بچّہ دودھ ہضم نہ ہونے کی وجہ سے خواب دیکھتا ہی اور جو کچھ دیکھتا ہی اسی کے اثر سے ہنسنے یا رونے کی شکل بناتا ہو ورنہ بیان کوئی چیز نہیں۔ یہ صرف ایک تسلّی دینے کی بات ہی۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ بڑا آدمی جب زیادہ کھا جاتا ہی تو بدہضمی کے باعث کیسے بُرے بُرے خواب دیکھتا ہی اسی طرح بچوں کو سمجھو ۱۲

"تو سو میری بالی سو میری بھولی جب تک بالی ہو نیسند۔ پھر جو پڑے گی تو دنیا کے پھندے کس کا ہو جھولا کس کی ہو نیسند"

تیسرے دن خدا کا کرنا کیا ہوتا ہے؟ کہ جونہی صاحب زادی پلنگ پر لیٹیں پٹ سے آنکھ لگ گئی۔ دیکھتی کیا ہیں؟ ایک بڑا بھاری صاف چٹیل میدان ہے جس کی زمین ایسی ہموار ہے کہ اگر تنکا پڑا ہو تو وہ بھی دُور سے دکھائی دے جائے۔ کیسا درخت کیسی گھاس آدم نہ آدم زاد ایک ہو کا مکان ہو وہ جو کہتے ہیں" ماں نہ ماں کا جایا سب ہی دیس پرایا" وہ اُن کی مثل تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد کیا سُنتی ہیں کہ سامنے سے ایک شور اُٹھتا چلا آتا ہے۔ دم بھر میں یہاں تک بڑھا کہ کان پڑی آواز نہ سُنائی دیتی تھی۔ یہ بھی اُدھر مونھ کر کے کھڑی ہو گئیں کہ "الٰہی یہ کیا آفت ہے"؟ دل میں "جل تو جلال تو صاحب کمال تو۔ آئی بلا کو ٹال تو" کہنے لگیں کچھ دیر نہ گزری تھی کہ ایک عجیب انداز کا فرشتہ دکھائی دیا۔ اس کا تمام جسم گھوڑے سے ملتا ہوا اور چہرہ مُہرہ ہو بہو آدمی کا سا تھا۔ اِدھر اُدھر مور کے سے بڑے بڑے خوبصورت پنکھ پھیلے ہوئے تھے۔ ماتھے پر بریاں کندھے پر لمبی لمبی کاکلیں چھوٹی ہوئی تھیں قصہ قبول صورت ایسا کہ آدمی بیٹھا دیکھا کرے۔ مگر بے عیب ذات خدا کی ہے۔ ان خوبیوں پر اتنا عیب بھی تھا کہ گُدی پر نام کو بال نہ تھے۔ بلکہ پیچھے سے آدھا سر ایسا چکٹا تھا کہ صاف گنج کا گمان گزرتا تھا۔ لیکن یہ گنج بھی گنج شائگاں سے کم نہ تھا اس مُنے سے پنکھ پسارے اُڑا چلا آتا تھا کہ کبھی تو اس کی ٹاپ زمین پر کھٹ پٹ کھٹ پٹ۔ پڑتی معلوم ہوتی تھی اور کبھی سائیں سائیں کے سوا کچھ نہ سُنائی دیتا تھا۔ آگے پیچھے آدمیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ تھے بچے پکار رہے تھے" اے ہمیں گھٹنیوں چلانے

ماں باپ کی گودیوں میں پلوانے والے تو کہاں چلا" بڑے بڑے لڑکے چیخ رہے
تھے "اے ہمارے کھیل کود اب ہم تجھے کہاں پائینگے"؟ جوان توبہ دہاڑ مچا رہے
تھے "اے ہمارے سارے گھمنڈ اور زور تو کہاں بھاگا جاتا ہی" ادھیڑ عمر والے
چلا رہے تھے "ارے بے مروت بے وفا ہمیں ادھر میں بھی نہ دیکھ سکا" بوڑھے
رو رہے تھے "ہائے کمبخت اب کیا قبر میں ملیگا! ارے ذرا تو ٹھہر یہ ریل تو نہیں ہی
کہ اُسے ٹیم (ٹائم) پر پہنچنا ہی" غرض یہ کہتے تھے اور دوڑ دوڑ کے اُس کے بالوں
پر ہات ڈالتے تھے کہ کسی طرح پکڑ لیں مگر خدا کے فضل سے گدی کے بال پہلے
ہی اُڑ چکے تھے۔ جو وار کرتے تھے وہی خالی جاتا تھا اور اتنی طاقت و جرأت
نہ تھی کہ آگے بڑھ کر روک لیں۔ جب ہمت باندھ کر ہات ڈالتے ایک ہی جھٹکا
ایسا لگتا کہ دس قدم پیچھے جا پڑتے اور وہ فرشتہ اپنے مرنے سے بگٹٹ
اُڑا چلا جاتا تھا۔ ان میں بہت سے تو رو پیٹ کر بیٹھ رہتے تھے اور بہت سے
اپنے کپڑے جھاڑ کر پھر لپکتے تھے۔ مگر دل کسیکا نہیں مانتا تھا کہ اس کے پیچھے
نہ جائے دوڑتے تھے اور گر پڑتے تھے۔ بہت سے لڑکے لڑکیاں جوان بوڑھے
ایسے بھی تھے کہ وہ اُس کے آنے سے پہلے اگا روک کر کھڑے ہو جاتے تھے۔
جہاں یہ سامنے سے آیا اور اُنھوں نے آگے لپک کر بھتنے کی طرح اُس کی چوٹی
پکڑی اور ساتھ ہولیے کہ "لے چل کہاں چلتا ہی؟ ہم تجھے چھوڑیں نہ تو ہمیں چھوڑ"
جوں ہی یہ فرشتہ راحت زمانی کے پاس سے نکلا اس نے بھی دوڑ کر پکڑنا
چاہا۔ مگر اس کے دوڑتے دوڑتے وہ سامنے سے فراٹا بھر کر نکل گیا۔ اُسیوقت
بے اختیار اُس کے مونھ سے ایک چیخ نکلی کہ "ارے لوگو دوڑنا۔ لینا۔ پکڑنا دیکھو

دیکھو جانے نہ دینا میں بھی آئی"۔ اس آواز کے ساتھ آنکھ کھل گئی۔ اور جھٹ ہڑ بڑا کر اُٹھ بیٹھی۔ نوکروں نے جو یہ آواز سُنی تو اب اُنکو رہا سہا یقین ہو گیا کہ "بے شک لڑکی پر آسیب ہے اور آسیب بھی کوئی جید ہے" پہلے تو سب کی سب خود ہی ڈر کر آپ آپ کو الگ ہو گئیں کسی نے بھی اسوقت ماشا نہ جتائی۔ جب دیکھا کہ راحت زمانی ذرا ہوشیار ہوئی تو ہر ایک چپکے چپکے اپنی اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئی اور دو ایک نے دل کڑا کر کے پوچھا کہ "بیگم اس وقت کیا تھا جو بیساختہ تمھارے مونھ سے نکلا کہ "لینا، پکڑنا، جانے نہ دینا۔ میں بھی آئی"۔ وہ بولیں! کیا بتاؤں"؟ تمھارے بتانے کی بات نہیں ہے کہ تم ایک ایک پر سو سو جوڑ کر سارے شہر میں کہتی پھرو اور اگر زیادہ اصرار کیا تو تم ہی جانوگی میں وہ نہیں ہوں کہ مجھے باتوں میں اُڑاؤ"۔ بی راحت زمانی کو تو یہ فکر ہوئی کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟ اور یہ جو میں نے دیکھا ہے یہ کونسا فرشتہ اور کہاں کی خلقت ہے" لونڈی باندیوں، اور تمام گھر والوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ "اچھی بھلی لڑکی کو بیٹھے بٹھائے کیا ہو گیا"۔ ان کی والدہ سے ایک ایک آ کر کہنے لگی کہ دیکھیے! "ہمارا کہنا کچھ جھوٹ نہیں تھا۔ ہم نے آپ سے چار کپڑے زیادہ ہی پھاڑے ہیں۔ یہ چونڈا دھوپ میں نہیں سفید کیا۔ آج کئی کئی دن سے لڑکی کے تیور ہی اور تھے سو دیکھ لو اس وقت اپنے مونھ سے بکار اُٹھی یہاں تک کہ سوتی کو اُٹھا کر بٹھا دیا۔ اگر ہم لوگ اس وقت نہ ہوتے تو خدا جانے کیا سے کیا ہو جاتا، مگر راحت زمانی اپنی ضد کی ایک ہی ہیں۔ خدا ہی ہے جو کسی کو بتائیں یا اپنا علاج معالجہ کریں نہیں تو ہمیں چاروں پانچوں ایسی ہیں کہ ہسپتال میں جائیں اور کسی ایسے سیانے کا پتہ

لگا کر لائیں کہ وہ اس جن کو ترت شیشے میں اُتار لے یا ابھی جلا کر راکھ کر دے۔ آج تم ان کے ابا جان سے ذکر تو ضرور کرنا"؛ (تعلیم کے نقص کی وجہ سے میاں بیوی میں صفائی کا برتاؤ نہ ہونے سے دیکھو کیسی کیسی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور بعد میں دونوں کیسا کیسا پچھتاتے ہیں مگر پھر کیا ہوتا ہی) راحت زمانی کی والدہ بولیں "لے نوج میں تو اُن سے بھول کر بھی نہ کہوں وہ تو اُلٹے لیے جائیں نہ سیدھے۔ ماماتو گئی چولھے میں اُلٹے میرے ہی سر ہو جائینگے کہ تم سے اکلوتی لڑکی کی حفاظت بھی نہیں ہو سکتی نوکروں چاکروں پر اُسے چھوڑ رکھا ہی۔ اندھیرے اُجالے کی تم خبر نہیں رکھتیں علاج معالجہ کی تم کو پروا نہیں تم تو فقط جھوٹی ماماتا جانے کو ہو نا بُوا مجھ سے یہ نہیں ہونے کا۔ اور نہ میں تم کو اجازت دیتی ہوں کہ تم کہو"۔ وہ بولیں "ہمارے میاں تو پھر غنیمت ہیں اتنا تو کہیں گے۔ تم آج کل کے مُردوں کو دیکھو۔ بھوت کو مانیں نہ پریت کو۔ جن کو جانیں نہ اوپر والیوں کو جہاں اُسنے کہا اور وہ جھوٹ جھوٹ کہکر بلا کی طرح پیچھے پڑ گئے۔ موے جن تو آپ بن رہے ہیں۔ وہ جنوں کو کیا جانیں گے۔ قرآن سے نہیں انکار توبہ توبہ رسول سے وہ بیزار"! اسپر بڑی بیگم صاحبہ نے کہا کہ میں ایسے مُردُوں کے سات ہزار میں بھی نہ ماروں۔ ہمارا میاں پھر آدمی ہی۔ اُن کو آدمی کس نے کہا ہی۔ بُوا بات یہ ہی کہ پیسہ اُٹھانے کو میں موجود ہوں جس روز سے لڑکی نے چونکنا شروع کیا ہی یہ دیکھو پیسہ ٹھیکری کر دیا کل ہی دس روپئے ترئی کے سے پھول خانقاہ والے سیانے کو بھیجے (اللہ ری جہالت تیرے کو تنگ) اُس نے دو فلیتے دیئے۔ مگر کمبخت مقدور جو لڑکی نے اُن کی دُھونی لی ہو۔ خدا کو مان کر تم سب مل کر سارا شہر چھان مارو جہاں جہاں سی گنڈا

تعویذ جو کچھ ملے لے کر آؤ بلکہ پہلے ایسی چیز لاؤ کہ جس سے لڑکی کہنے میں ہو۔ گنڈا تعویذ جو کچھ اُسے پہنائیں یا دھونی وغیرہ دیں اُس سے انکار نکرے اور اس کے باپ کا مونھ بھی کِل جائے نہیں تو آئے دن کی لڑائی اور روز روز کی دانتا کلکل اور بھی میرا ناک میں دم کر دے گی"۔

بی مغلانی نے اس بات کا بیڑا اُٹھایا کہ "یہ تو کچھ بڑی بات نہیں روپے کا خرچ بے شک ہے ابھی مادھو داس کی باغیچی میں جاتی اور وہاں کے بیراگی سے ایک ایسا جنتر (تعویذ) لاتی ہوں کہ میرے آتے آتے سارے کام بن جائیں تو سہی"۔ راحت زمانی کی والدہ بولیں "ایسا کتنا روپیہ چاہیے۔ بی مغلانی نے کہا" ابتو یہی کوئی سو دو سو رُپئی میں کام ہو جائیگا۔ اُس کا مُونھ تو بڑا ہی مگر اسی میں راضی کرونگی" بیگم صاحب نے جھٹ تھیلی نکال اُن کے حوالے کی اور کہا "دیکھ بُوا تجھے اپنی بیٹی کی قسم اسبات کی لڑکی یا اُس کے باوا کو کانوں کان خبر نہو۔ ابھی تو خدا کا دیا گھر ہی میں سب کچھ موجود ہے اور اگر زیادہ ضرورت پڑے گی تو جوہری مل کی بہو کو بُلا کر جتنے روپے چاہوں گی نکلوالوں گی" مغلانی نے کہا "اب تو بہت دن سے اُس نے آنا ہی چھوڑ دیا"۔ بیگم صاحب نے فرمایا "دیکھو کسی دن موقع پا کر اُسے بلاؤں گی اور میری بچی اچھی ہو جائیگی تو مٹھائی بھی کسی حلوائی سے بنوا کر وہیں کی وہیں اُس کے گھر بھجوا دوں گی نگوڑی محبت کی پوری ہے"۔ بی مُغلانی نے روپے تو خوشی خوشی لے جا کر اپنی بیٹی کے گھر رکھے۔ اور ایک پھٹا سا بُرقع سر پر ڈال کر ٹوٹی جوتی پہن دو روپے بٹوے میں رکھ پھٹر پھٹر کرتی ہوئی مادھو داس کی باغیچی میں پہنچیں۔ جاتے ہی بیراگی کے پاؤں پر گر پڑیں۔ دو روپے بٹوے سے نکال

نہایت ادب سے قدموں میں ڈال دیے اور کہا کہ "باباجی بھوجن کے قابل تو میری حیثیت نہیں ہی مگر آپ کے بالکوں کے چرس پینے کو یہ حاضر ہیں البتہ جو کام بن جائے گا تو جو مانگو گے سو دلوادوں گی"۔ بیراگی نے کہا "مائی تیری سرڈھا ہو سو دے جا۔ یہاں تو اس کی پروا نہیں۔ بھگوان آپ سب کو دیتے ہیں۔ یہ بتا وہ کون کارج ہی جو سدھ نہیں ہوتا"۔ اس نے کہا "سائیں کام تو کچھ بڑا نہیں ہی مگر تم جانتے ہو امیروں کے چوچلے ہیں۔ دو چار روز سے ہماری بیگم کی لڑکی چونک چونک پڑتی ہی اور کل تو رات کو بکاری اور بڑبڑا کر سوتے سوتے اُٹھ بھی بیٹھی اُسے کچھ اوپری خلل ہو گیا ہی۔ اس پر ضد ّن ایسی ہی کہ نہ تو علاج معالجہ کرے اور نہ تعویذ گنڈا پہنے۔ ہماری بیگم صاحب اُن کے باواجان سے یہ بات کہہ نہیں سکتیں کیونکہ وہ ایک اُلٹے ملک کے اُجھڑ آدمی ہیں تمھیں مدد کروگے تو کچھ ہوگا"۔ "اچھا پھر کیا چاہتی ہی"۔ "میں یہ چاہتی ہوں کہ ادھر تو لڑکی کہنے میں ہو جائے اور یہ چونکنا ڈرنا بھی جاتا رہے۔ اُدھر اُس کے باپ کا موتھ کل جائے"۔ "سُن لڑکی کو تو جھپیٹا ہو گیا ہی۔ ایسا معلوم ہوتا ہی کہ کہیں سنجا کو آنگن میں نکل کھڑی ہوئی ہی"۔ "ہاں ہاں سائیں بے شک یہی ہوا ہی۔ ایک روز وہ لڑکیوں کے ساتھ جھولا جھولنے چلی تھی تو ہم سب انگنائی سے اُسے پکڑ لائے تھے کہ بُوا دونوں وقت ملتے ہیں اس وقت کُھلے بالوں باہر نہ نکل"۔ "بس تو وہی ہی۔ لڑکی کا ناؤں کیا ہی"؟ "راحت زمانی" "باپ کا ناؤں"۔ "نواب رحمت علیخاں"۔ یہ پوچھ کر قلم دوات اُٹھا کر کچھ کیڑے مکوڑے کاڑھ اور دو لونگوں پر چھو منتر کر ایک جنتر اور وہ لونگیں مُغلانی کے ہات

۱ مرضی۔ ۲ کام۔ ۳ درست۔

دیں اور موچھوں پر تاؤ پھیر کر کہا "جا تیرا کام ہو گیا۔ یہ خنبر تو لڑکی کے گلے میں پہرا دے
اور لونگیں اُس کے باپ کے تکیئے میں سی دے۔ اس کے بعد جو کچھ ہو ہم سے
کہو۔ یہ روپئے تو نے اپنے پاس سے دیئے ہیں تو لے جا ہم تو اکٹھا ہی بھنڈارا
کرالیں گے"۔ مغلانی نے کہا "دیے تو میں نے اپنے ہی پاس سے ہیں۔ مگر وہ
ایسے نہیں ہیں کہ میرے روپئے رکھیں، آپ دو روپیوں کا نام لیتے ہیں میں تھوڑی
تھوڑی ہوئی جاتی ہوں للہ آپ مجھے شرمندہ نہ کریں"۔ بیراگی نے کہا "اچھا
مائی جا پھر بھی آئیو اور مکان کا ٹھیک پتا بتا جائیو۔ ہم اس طرف موہنکر کے
ایک جپ کر دینگے اور کچھ گڑ ہنت گاڑنے کو دینگے تو دیکھے گی کہ اُس کا اثر
کیسا ہوتا ہے۔ یہ سلام کر کے رخصت ہوئی۔ بیراگی نے اپنے بالکوں سے کہا۔
"ارے چھوراؤں یہ بھی تو م ہی بھول مت جانا"۔ وہ بولے واہ مہاراج کوئی بھولا
جاتا ہے۔ اب کی آئے تو اُدھر ہی کے دھاوے ہوں گے" غرض بی مغلانی
وہاں سے ہو کر پھر بیٹی کے پاس آئیں ذرا دم کھایا، لیٹیں پوٹیں جب خوب سستا
لیں تو بیگم صاحب کی سُدہ لی۔ آتے ہی آداب بجایا اور یہ خوشخبری سُنائی کہ وہاں
سے تو کام بن گیا ہے اب خدایا یہاں میری عزت رکھے۔ بیگم صاحب ایک تو چلتا ہوا
تعویذ دیا ہے اور ایک لونگوں کا جوڑا۔ اور دو چار بول یاد کرا دیے ہیں کہ ان کو کسی
بہانے سے لڑکی اور اُس کے باپ کے مُونہہ پر پھونک دینا۔ تعویذ لڑکی کے گلے
میں پڑے گا۔ لونگیں نواب صاحب کے تکیے میں سی جائیں گی۔ سو یہ تو آپ ہی
کرلیں گی۔ رہیں باقی دو چار باتیں سو اُن کی ترکیب یہ ہے کہ پہلے تو میں علیحدہ باتیں

ل کھلانے کا مبتا کو ۱۲

کرنے کے بہانے بی راحت زمانی اور نواب صاحب کو بُلا کر پھونکنے پھانکنے کا کام کر لوں گی اور پھر لڑکی کو تعویذ پہنا دوں گی۔ تو اب مجھے پہلے لڑکی کے پاس جانے دو اور خاطر جمع سے ہو بیٹھو" بی مغلانی راحت زمانی کے کمرے میں گئیں اور کہا "بیٹا راحت جاگتی ہو" کہا "جی ہاں جاگتی کیا خاک ہوں خدا نے دل کو ایک فکر لگا دی ہے اُسی میں گھری رہتی ہوں دیکھیے اس سے کب نجات ہوتی ہے" بی مغلانی بولیں "اماں کچھ فکر نہ کرو اب اس کا بندوبست ہوئے جاتا ہے۔ وہ تو تم صاف صاف نہیں کہتیں اس سے اتنی دیر لگی ورنہ اب تک تو سیکڑوں ملّا نے سیانے آئے ہوتے اور اُنھوں نے اس نابکار کو جلا کر کبھی کا خاک میں ملا دیا ہوتا۔ راحت زمانی نے کہا "تمھاری یہ اُلٹی سمجھیں ہیں تو مجھے کہنے نہیں دیتیں تم لوگ پانی سے پہلے پاڑ باندھتے ہو مجھے بھی قسم ہے جو میں تم میں سے ایک کے آگے بیان کروں" مغلانی بولیں "اچھا تمھارا بتلانے کو جی نہیں چاہتا تو نہ بتاؤ۔ مگر میری بات کا جواب تو دے دوگی؟ اُنھوں نے کہا آنکھوں سے جواب دینے میں بھی کوئی ہاتی گھوڑے لگانے پڑتے ہیں" اچھا بتاؤ مجھے اپنا دشمن جانتی ہو یا دوست"؟ راحت بولیں "تمھیں میرے ساتھ دشمنی کرنے سے کے رکعت کا ثواب۔ بلکہ تم مجھے اتنا چاہتی ہو کہ اماں جان اور ابا حضرت چھوٹ کوئی بھی نہیں چاہتا میرے لیے نئی نئی قطع کے کپڑے تم سیتی ہو۔ اُن پر میری خوشی کے کارن باریک باریک کام تم بناتی ہو۔ کیسکری تمھاری مجھے پسند ہے ٹانکا تمھارے ہات کا مجھے بھاتا ہے۔ جب میں کسی کام کو کہتی ہوں تم سو کام چھوڑ کر پہلے میرا کام کر دیتی ہو۔ کسی کے دل کی تو میں نہیں کہتی مگر ظاہر میں جو کچھ دیکھا ہے اُس میں کوئی بھی دشمنی یا عداوت

کی بات نہیں پائی جاتی۔ میں کسی سے بیر اکھیری رکھوں اور نہ اپنا دشمن بناؤں پھر میں بھی کہتی ہوں کہ تم بے چاری کو میرے بیر سے کیا واسطہ اور مجھے تم سے کاہے کی عداوت"۔ بی مغلانی بولیں" اے میں صدقے ہو کر مر جاؤں مجھی تمھاری ذات سے بہت بہت اُمید ہی اور میں یقین کرتی ہوں کہ تم مجھے کبھی اپنے دم سے جُدا نہ ہونے دوگی لیکن تمھاری والدہ صاحبہ حق ناحق میری ناک چوٹی کاٹ کر رہیں گی۔ تم سُنتی ہوگی کل سے کیسا کیسا میرا ناک میں دم کر رکھا ہی۔ رُوئی کی ہوں نہ ٹکڑے کی"۔ راحت زمانی نے کہا" میرے تو فرشتوں کو بھی اس بات کی خبر نہیں"۔ کہا" کیوں تم نہیں جانتیں ؟ وہ اُٹھتے بیٹھتے یہی کہتی ہیں" آج کل تو بی مغلانی راحت زمانی کی بڑی اخلاص مند بنی ہیں جائیں گی اور سکا آئیں گی کہ دیکھ بیٹا گنڈا پہنیو اور نہ تعویذ، تیری بیماری بڑھ جائیگی تو ہمارے ہات بھی کچھ آجائیگا ؟۔ لڑکی جوان کے کہنے میں آگئی ہی تو علاج معالجہ کے نام سے آگ بگولا ہوئی جاتی ہی۔ اب بی مغلانی ہی گھر میں رہیں یا میں رہوں"۔ سو بیگم کرتا تو سب کچھ خدا ہی یہ صرف تسلّی دینے کی باتیں ہیں نہ کچھ گنڈے سے ہو اور نہ تعویذ سے اول تو خدانخواستہ تم کو ہوا ہی کیا ہی جس کا علاج کیا جائے ہاں ماں کی مامتا نہیں مانتی اُن کا وہم ہی اُسے بھی نکل جانے دو وہ کچھ دشمن نہیں ہیں اس میں میری بھی نوکری رہ جائیگی اور اس بہانے سے دو چار پیسے خدا کے نام بھی نکل جائیں گے۔ اور جو تم میرا رہنا ہی نہیں چاہتیں تو لیجیے سلام" یہ کہکر اٹھی تھیں کہ لڑکی نے ہات پکڑ کر بٹھا لیا اور کہا" میرے اوپر تو اپنی نوکری کا چُھدّا رکھو نہیں یوں تم کو ختیار ہی نوکر ہو کچھ بندھوا نہیں ہو اور میری جو کہو تو لاؤ میں اب سب کچھ

پہن لوں جس بات میں تمھارا بھلا ہوتا ہی میرا کیا ہرج ہی۔ مگر یہ میں خوب جانتی ہوں کہ جتنی یہ آج دستداربنی ہیں سب کی سب پھاپھاکٹنیاں ہیں اُسی دن میں ذرا ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی تھی تو سب آپ آپ کو الگ ہوگئی تھیں۔ اور اماں جان کے آتے ہی سب جان چھڑکنے کو موجود ہوگئیں۔ تم کہتی ہو تمھاری محبت میں ٹکڑے سے جاتی اور بدنامی اُٹھاتی ہوں لے لو! بدنامی نہ اُٹھاؤ طوق گنڈا بیڑی۔ ہتکڑی جا ہو سو لے آؤ"۔ بی مغلانی بولیں۔ "دور پار تھو تھو تم ایسی تو فال نہ نکالو۔ یہ تو خوشی کی بات ہی کھولاؤں کھونہ لاؤں" راحت زمانی نے کہا" اب تمھیں میری جان کی قسم لے ہی آؤ۔ یہ ساری باتیں تو آمد سخن تھیں موںھ سے نکل گئیں خدانخواستہ کچھ ناراضگی سے نہیں نکلیں۔ میں ایمان سے کہتی ہوں کیسا آسیب کیسا خلل وہ بات ہی اور ہی کیا میں ایسی بچہ ہوں کہ آسیب وآسیب کو بالکل نہیں پہچانتی۔ یوں کہو لوگوں کو ایک شغل ہات لگ گیا ہی اور وہ بھی ہماری بھولی بھالی اماں جان کے طفیل جو کچھ تم پہناؤگی پہن لوں گی۔ مگر کھانے پینے سونگھنے کی چیز کا نام لیا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں بلکہ اپنی اس دھونی کو بھی پرے ہی رکھنا کیا لگتا ہی جو کوئی اپنے لینے کے واسطے کسی قسم کی ایسی ویسی چیز کھلا پلا سونگھا دے جس سے میں دیوانی باؤلی ہو جاؤں یا میرے ایمان میں خلل آجائے۔

بی مغلانی نے کہا" میں اُن کو بھی سمجھائے دیتی ہوں کہ بیگم خبردار کسی کی لائی ہوئی چیز نہ کھلانا اب تو لڑکی کو سمجھا بُجھا کر میں نے راضی کر دیا ہی نہیں تو پھر میں بھی اپنا قدم نکال لوں گی" غرض باتیں بنا بنو کرائیں تو بی مغلانی ڈھب پر لے آئیں اب ان کے باوا جان کو راہ پر لانا رہا اتفاق سے وہ بھی کسی ضرورت سے گھر میں آئے

یہ اُن کے پاس گئیں اور کہا حضرت لونڈی آداب کرتی ہی" وہ بولے بی مغلانی "خیریت ہی"؟ کچھ عرض کرنا تھا۔" نواب صاحب نے فرمایا" کہ ڈالو کیا کہتی ہو"؟ کہا میاں تم جانتے ہو ماں سے سوا چاہے سو پھاپھا کٹنی کہلائے۔ ہمیں تمھیں اتنی محبت نہیں ہو گی جتنی بی راحت کی والدہ صاحبہ کو اپنی اکلوتی بیٹی کی اُلفت ہو گی جیسی ہماری بیگم صاحبہ آپ سے ڈرتی اور خوف مانتی ہیں۔ ایسی فرمانبرداربوی میں نے دنیا میں نہیں دیکھی رات دن انھیں لڑکی کی خبر گیری اور دل رکھنے کے سوا دوسرا کام نہیں ایک تو ماں کی ممتا دوسرے تمھارا خوف کہ اگر خدانخواستہ ذرا لڑکی کے دشمنوں کا جی اُنما ہو جائے تو خدا جانے حضور کیا غضب ڈھائیں؟ اور تو اور صاحب زادی بھی اُن کی اسقدر ممتا دیکھکر گھبراتی اور وہمن بتاتی ہیں۔ کہیں دو دفعہ لڑکی سوتے میں چونک پڑی اور ایک روز تو شاید کچھ بہکی بھی سو انھیں یہ وہم بندھا کہ "میری بچی کو سایہ جھپیٹا ہو گیا"، ہم لوگ ہر چند سمجھاتے ہیں مگر وہ کہتی ہیں نہیں "لاکھوں میں اسے اوپروالی کا خلل ہو گیا ہی"۔ اب ڈر کے مارے نہ تو تم سے کہتی ہیں اور نہ دل مانتا ہی کہ علاج معالجہ نہ کریں اور تو کچھ نہیں اگر آپ ذرا کہدیں ایک تو اُن کا وہم مٹ جائیگا اور اس دلداری سے اُن کو یقین ہو جائیگا کہ نواب صاحب خواہ مخواہ کسی کے سر نہیں ہوتے اگر کسی نے خدا کا نام پڑھ کر دم کیا یا گلے میں ڈالا تو ہمیں نقصان ہی کیا ہی؟ آپ کو خدا کا بڑا شکر کرنا چاہیے کیونکہ خدا رکھے ہماری بیگم بھی اپنی ماں کی اکلوتی اور بڑی اللہ آمین کی بیٹی ہیں۔ آگے پیپا بھی اتنا ہی کہ آج چاہیں تو چار کو دیکر کھائیں۔ ماں باپ کو بیٹی کا دم دوبھر نہیں ہوا کرتا وہ تو وہی نیک بخت لڑکی ہی کہ ہمارے گھر کو اپنا گھر اور یہیں مر رہنے کو اپنی نجات

سمجھتی ہو تمھارے بُرے سے اُسے کام نہیں بھلے سے اُسے کام نہیں تمھیں خوش دیکھا اُس کا دن خوشی میں کٹا تمھاری تیوری پر بل پایا اُس پر خدا کا غضب آیا رُو رو کر اپنی جان ہلکان کر دی اور تمھاری کسی خدمت کسی کام میں فرق نہ آنے دیا ایسی بیوی چراغ لے کر ڈھونڈو گے تو نہیں ملے گی جب ان کی بھی قدر نہ جانی تو اور کس کی قدر جانو گے؟ چلو ذرا اپنے مونہہ سے کہدو کہ کچھ اندیشہ نہیں لڑکی تندرست ہو جائے گی۔ کہو جس سیانے ملّانے کو بلوا دیں تم اپنا وہم نکال لو میں کسی بات کو منع نہیں کرتا خرچ کو چاہیے خرچ لو آدمی چاہیے آدمی لو۔" اتنا سنکر اُنکا دل بڑھ جائے گا آگے تم جانو میں اپنے فرض سے ادا ہو گئی۔" نواب صاحب اس دم میں آگئے اور جاتے ہی بیوی سے کہا "بیگم کیا ہے لڑکی کچھ بیمار ہے"؟ وہ بولیں "معلوم نہیں یا تو اُس کے سونے پر نظر ہو گئی ہے یا کچھ اوپری خلل ہے راتوں کو اٹھ اٹھ بیٹھتی ہے" اُنھوں نے کہا "کچھ خوف کی بات نہیں ہے اچھی ہو جائے گی" (اس وقت بی مغلانی نے پیچھے سے اشارہ کیا۔ کیوں؟ کیا چلتا ہوا منتر ہے؟ بیگم نے آنکھوں ہی آنکھوں میں جواب دیا کہ ایک بر ایک) اور جو تمھیں ایسا ہی وہم ہے تو دو چار آدمیوں کا علاج کر دو دوڑنے کو آدمی اُٹھانے کو پیسا خدا کا دیا تمھارے پاس موجود ہے" اس کے بعد گھر والے میاں صاحب زادی کے پاس گئے اور کہا کہ "بیٹیا راحت آج چپ چپ کیوں ہو خیر تو ہے؟ وہ بولیں "ابّا جان کچھ نہیں"۔ میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے اُس کی تعبیر لینی چاہتی ہوں"۔ پوچھا کیا خواب دیکھا ہے؟ کہا "ابھی تو میں اُسے سوچ سوچ کے آپ ہی مزے لے رہی ہوں جب میرے ذہن پر خوب چڑھ جائیگا تو جس کے سامنے آپ فرمائیں گے کہہ دوں گی لیکن اس کی تعبیر دینے والا کوئی

دانا اور سمجھ دار آدمی ہو۔ خواب تو بُرا نہیں ہے مگر صاف سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ بات ہی کیا ہے، میں اُسی پر ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی تھی جوان ماما اصیلوں نے خدا جانے کیا کیا طوطی جوڑے ہیں کوئی آسیب کا خلل بتاتی ہے۔ کوئی نظر کہتی ہے، اماں ہیں کہ ہر ایک کے کہنے پر یقین لے آتی ہیں۔ اب میں اُن سے کیا کہوں؟ میرا کہنا تو جھوٹ اور ان نگوڑیوں پھیپڑ دلالے کرنے والیوں کی بات سچ میں کہوں تو کس سے کہوں؟ بیٹھی سیر دیکھ رہی ہوں"۔ نواب صاحب نے کہا "ان کو بھی اپنے دل کی ہوس نکال لینے دو۔ ہم دو ایک روز میں مولانا اسمٰعیل صاحب کو بلاویں گے آج شہر میں اُن سے بہتر کوئی تعبیر دینے والا نہیں۔ میں تو ابھی بلا دیتا۔ پر سُنا ہے کہ وہ میرٹھ گئے ہوئے ہیں۔ تم خواب کو مع تاریخ یاد رکھنا میں اُن کی خبر لیتا رہوں گا"۔ وہ تو یہ کہتے ہوئے باہر چلے گئے۔ بی مغلانی نے راحت زمانی کی والدہ سے کہا "چلو اپنے ہاتھ سے گنڈا تعویذ جو کچھ چاہو صاحبزادی کو پہنا دو۔ جس طرح میاں کا مونھ کل گیا اُس سے زیادہ لڑکی پر اثر ہو اگر پہلے اُس کے بھینٹ کا بھی بندوبست کر لو اب آنہو کہ بھینٹ نہ دینے سے مؤکل الٹ پڑیں۔ جب کام بن جاتا ہے تو بھینٹ بھی ترت ہی دی جاتی ہے۔ خیر پہلے بیٹی کے پاس چلکر دیکھ لو وہ کیا کہتی ہے؟ دونوں کی دونوں راحت زمانی کے پاس گئیں۔ لڑکی ماں کو دیکھتے ہی اُٹھ بیٹھی اور کہا اماں جان کیا کہتی ہو؟ جو کچھ کہو میں کرنے کو موجود ہوں۔ یہ سارا تمہارا وہم ہے اور خدانخواستہ جس بات کا تم کو خیال ہے اُس کا سان گمان بھی نہیں"۔ ماں خوش ہو گئی بیٹی کی چٹ چٹ سیکڑوں بلائیں لے ڈالیں۔ بیراگی کے جنتر سیانوں کے تعویذ ملانوں کے گنڈے ڈھیر کے ڈھیر بچی کے گلے میں ڈال فلیتوں کی دھونی دینے بیٹھ گئیں لڑکی نے مغلانی کی طرف

دیکھاوہ" بولیں اپنی بچی کی قسم یہ فلیتے صرف خدا کا نام لکھے ہوے ہیں وہ دھونی نہیں ہی جس کا میں نے تم سے اقرار کیا ہی" راحت زمانی نے والدہ سے کہا" اب تو آپ خوش ہوئیں" بیگم صاحب بولیں" اب کیوں نہ خوش ہوں گی۔ خدا بھلا کرے بی مغلانی کا جنھوں نے تمھارا مزاج سامان میں کیا"۔ وہاں سے آتے ہی مغلانی کے قدموں پر گر پڑیں اور کہا" اچھی جلدی سے جا کر بھینٹ تو دے آؤ اور اُن سے یہ بھی پوچھتی آؤ کہ راحت کے سہرے کے پھول کب کھلیں گے؟ میں اس کا بھی جو کچھ وہ بتائیں گے دے دوں گی مجھے کسی کا حق رکھنا منظور نہیں" مغلانی بولیں "بیوی اس کا تو بڑا موٗنھ ہی۔ دو دو سو روپلی کو تو وہ خطرے میں بھی نہیں لاتا دیکھو جاتی ہوں۔ لاؤ بھینٹ کا کیا دیتی ہو" وہ بولیں مجھے کیا خبر ہی"۔ مغلانی نے کہا بیوی یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہی۔ ذرا سا وکیل کرتے ہیں تو وہ بھی جو کچھ پہلے لیتا ہی اُس سے زیادہ مقدمہ جتا دینے پر لیا کرتا ہی اور یہ تو بھاری کام تھا تم جو مناسب جانو سو دے دو مجھے یہی ڈر ہی کہ کہیں وہ زیادہ پاؤں نہ پھیلائے اور تم جانو کہ بی مغلانی اپنے کھانے کو کہتی ہوں گی نیکی برباد گناہ لازم۔ اُلٹے لینے کے دینے پڑیں۔ مگر مغلانی بھی وہ ناک چوٹی گرفتار ہی کہ مکان نیچے گلا بندھا ہے گرہوں رکھے مگر ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دے۔ پھر تم جانو اور تمھارا کام اُلٹی پڑے یا سیدھی مجھے کچھ واسطہ نہیں"۔ اب راحت زمانی کی والدہ کو اور بھی یقین ہو گیا کہ مغلانی ہماری بڑی خیر خواہ اور دل سوز ہی۔ کوٹھری میں جا صندوقچہ نکال مغلانی کے آگے رکھ دیا کہ کیا تو اپنے گھر لے جائے گی"۔ مغلانی نے ڈرتے ڈرتے پانسو روپئے لیے۔ بیگم صاحب نے کہا" اور جو وہ اس پر بھی راضی نہ ہو اور موکلوں کی بھینٹ

میں دیر ہو جانے سے خدانخواستہ کچھ ایسی ویسی ہو جائے تو میں کیا کروں گی۔ تم دو سوا اور میری طرف سے رکھ لو ایسا ہی ہو تو پھیر لانا" مغلانی بولی" سچ کہا ہے بڑوں کی بڑی بات خدا تعالےٰ روپیہ دیتا ہے تو ساتھ ہی عقل بھی دیتا ہے۔ یہ بات تو میرے خیال میں بھی نہ تھی جو اسوقت تم نے سوجھائی"۔ بی مغلانی نگّی بغل میں مار سر پر برقع ڈال یہ جا وہ جا۔ جاتے ہی روپئے تو بیٹی کے حوالے کیے اور آپ اُس بیراگی کی طرف ہولیں کہ شائد کچھ اُس کی لونگوں کا بھی اثر ہو تو عجب نہیں۔ وہاں جا کر بیراگی سے کہا کہ" سائیں بندی حاضر ہے دو روپے تو شلفہ پینے کو دیے تھے دو یہی اور لو ذرا اتنا بتا دو کہ اس لڑکی کا بیاہ کب ہوگا"۔ اُنھوں نے کہا "بیٹھ جا سوچ بچار کر بتا دیں گے پہلے تو یہ کہو وہ کام بنا یا نہیں"؟ اُنھوں نے کہا کہ اب بننے والا ہے ڈھنگ تو پڑ گئے ہیں۔ لڑکی کا چونکنا جاتا رہا۔ ضد ابھی تک باقی ہے اور اُسکا باپ بھی ملائم نہیں پڑا میں اِدھر آئی وہ جمعہ کی نماز کو گیا"۔ بیراگی نے پوچھا" وہ مکان کس طرف ہے"؟ انھوں نے کہا" جس طرف آپ پیٹھ کیے بیٹھے ہیں" (بیراگی) "یوں کہو دکھن مائیں ہے"؟ (مغلانی) "جی ہاں" (بیراگی) "ایسا کت ایک دور ہے"؟ (مغلانی) "کوئی دو آنے ڈولی" (بیراگی) اری مائی یوں بتا کتنی دیر کا رستہ ہے؟ (مغلانی) "آدھ گھنٹے کا" (بیراگی) "اب تو یہاں سے کہاں جائیگی"؟ (مغلانی) پہلے تو میرا ارادہ تھا کہ گھر ہو کر جاؤں۔ مگر مجھے دیر بہت ہو گئی ہے سیدھی سرکار ہی میں جاؤں گی (بیراگی) اچھا مائی تو چار گھڑی دن رہے آئیو۔ ابھی بچار کا مہت (وقت) نہیں ہے"۔ (مغلانی) اب کہاں جاؤں گی یہیں بیٹھی ہوں"۔

جب نواب صاحب اور اُن کے نوکر جا کر جمعہ کی نماز کو جامع مسجد اور بی مغلانی

بیراگی کے ہاں چلی گئیں۔ تو بیگم صاحب نے ڈیوڑھی اکیلی دیکھ کر اپنی پُرانی بھنیلی جوہری مل بقال کی بیوی سوہنی اور اُس کے بیٹے کی بہو سُندر کو بُلا بھیجا کہ "تم دونوں کو دیکھے بہت دن ہوئے آج سوفتہ ہی ذرا کھڑے کھڑے ہو جاؤ" (بُلانے کی اصل وجہ یہ تھی کہ بیگم صاحب کے پاس روپئے تھوڑے رہ گئے تھے۔ انھوں نے دو باتوں کا خیال کر کے سوہنی کو بلوایا تھا۔ ایک تو یہ کہ شاید اور روپیوں کی ضرورت پڑے تو اُس وقت اپنے پاس موجود رہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر نواب صاحب کسی کام کے لیے مانگ بیٹھیں تو بھانڈا نہ پھوٹ جائے) ایک محلے میں تو رہتی ہی تھیں وہ دونوں کی دونوں جٹھانی پر گھر چھوڑ چلی آئیں۔ آتے ہی کہا "سلام کرو ہوں جی۔ اور یہ تمھارے چھورے ہجاری (ہزاری) کی بہو سُندر بھی پیروں پڑے ہے۔" انھوں نے سلام کے جواب میں سلام کہکر ہزاری کی بہو کو دُعا دی کہ "خدا جیتا جاگتا ماں کی صورت کا بیٹا دے۔" وہ مسکرا کر چپکی ہو رہی۔ پھر اُس کی ساس سے مخاطب ہو کر کہا کہ "بہو جی تم تو عید کا چاند ہو گئیں۔ رانی جی کا آنے کو جی ہی نہیں چاہتا۔" سوہنی بولی: "جی کیا کہا جاے تم جانو گھر سے چھٹکارا جرا (ذرا) مُسکل (مشکل) ہی سے ہوا کرے ہے ترٹکے ہی تو اسے لے کر جمنا جی جاؤں ہوں وہاں سے آکر جھانو چوکا برتن کروں ہوں۔ اتنے میں دکان سے مرد مانس رسوئی جیمنے آجاے ہیں سو ہی انھیں کھلاتے پکھلاتے دو بج جائیں ہیں پھر سنجا کی پوری کا سانا پڑجاے ہے۔ سارا دن اسی میں گارت (غارت) ہو جاے ہے۔ اب آؤں تو کیوں کر آؤں۔ آؤنا نگوڑا تو ہوتا ہی نہیں۔" بیگم صاحب نے پوچھا "سندر کے کوئی بال بچہ نہیں ہوتا" اُس نے کہا "جی کیا کہی جاے۔ بھگوان کی کچھ ایسی کرپا ہو رہی ہے کہ آج بیاہ کو چھ سات برس

بیت لیسے مُل چوہے کا بچہ بھی نہیں ہوا۔ آج ہمارے بگڑ میں ایک مولیا آیا تھا اُس سے پوچھتے چلی تھی کہ تمھاری ماما نے کہا" بیگم جرور جرور (ضرور ضرور) بُلائیں ہیں"۔ سو میں سُندر کو لیکر یہاں چلی آئی" بیگم نے کہا" اچھی بُوا مولیا کون ہوتا ہے"؟ وہ بولی "جی مُولیا کہو ڈکوت کہو جنھیں جوتش (نجوم) کی بدیا (علم) ہوئی ہے۔ انھی کو مولیا کہا کریں ہیں (عورتوں کا اعتقاد اور اُن کی بے تعصبی) یہ لوگ ستاروں کے حساب سے بات بتایا کریں ہیں"۔ پھر تو بُوا ان کی باتیں تو سچ ہی ہوتی ہوں گی"؟ جی گُر گُرُ بدیا سر سر گیان ہوا کرے ہے جب سے نے جرا (ذرا) سوچ بچار کے بتایا وہ تو برجرور (بالضرور) ہو کر ہی رہا اور رہجوا سنے اپنے لے نے کے لیے ٹہنکا ٹہنکو دیا تو کچھ ہوے نہ ہوے مُل یہ مولیا تو بڑا ہی گیانی سُننے میں آئے ہے۔ سارا بگڑ اسی کو ہات دکھائے ہے"۔ اچھی بُوا تو اُسی کو یہیں بُلا لے ہم بھی ایک ضروری بات پوچھ کر اُسے کچھ دیں گے۔ ہمیں یہ خبر ہوتی کہ یہ ایسا ہے تو ہم تو بی مغلانی کو بیراگی کے پاس بھی نہ بھیجتے خدا نے علم کو سب طاقت دی ہے"۔ اُسی وقت ماما کو دوڑایا کہ" دیکھ چلا نہ جائے"۔ سوہنی نے کہا اَری وہیں ہماری پولی کے آگے بیٹھا بِیَّر بانیوں کے ہات دیکھ رہا ہے جو کہ (ذوق) سے میرا ناؤں (نام) لے کر بُلائے اک سوہنی ہجاری کی بہو کا ہات دکھانے بلائے ہے۔ اگر تُرت چلا آئے گا تو بیگم سے بھی کچھ دلوا دے گی"۔ ماما نے جاتے ہی ڈکوت کو پیغام سُنایا۔ مولیا اُسی وقت بغل میں پترا مار دروازے پر آ پکارا۔" مولیا، جوتشی پنڈت[1] ہات دیکھیں۔ گرہ گوچر[2] دیکھیں۔ گُپت[3] بات بتاویں۔ سنیچر[4] دیوتا رچھا[5] کریں۔ نوگرہ[6] کا پھیر بتاویں

۱ نجومی۔ ۲ سیارہ کا مقام اور گردش ۳ مخفی۔ غیب۔ ۴ زحل ۵ حفاظت۔
۶ نو سیاروں کی گردش اور اُن کا اثر۔

پچھمی لگ ے۔ سب کارج سدھ ہوں۔ آنند رہیں۔ دُکھ دلدّر دُور ہوں دودھ پوت کی گھڑیاں ہوں بیٹے، پوتوں کے سُکھ ہوں۔ کپڑے کا دان۔ اَن کا دان۔ سنیچر کا دان کیت کا دان۔ سکل بپڑا دُور ہوں" جب وہ یہ آواز لگا چکا تو سوہنی ڈیوڑھی پر آئی۔ اور ڈکوت کو پکارا۔" اجی جوتشی جی یہاں آؤنا" (ڈکوت) بی بی بھاگوان۔ مولیے نے اُس کے چہرے کی طرف غور سے دیکھکر کہا۔ گرہ تو اچھے پڑے ہیں سارے سُکھ سمپورن ہونے چاہئیں اور تین پھل تو اسی بکھت (وقت) ہونے چاہئیں جن میں ایک پتر دو پتری۔ بول تین اولاد تیرے ہیں۔ کہ مولیا جھوٹ بولے ہی؟ (سوہنی) جی ہاں مہاراج یہ تو سچ ہی ایک چھوڑا ابھی ہی دو چھوری بھی ہیں۔ (ڈکوت) اپنا ہات دکھائیو۔ سوہنی ہنسکر بیٹھ گئی اور کہا میرا ہات کیا دیکھو ہو۔ میری بہو کا ہات دیکھنا کہ اس کے بالک کیوں نہیں ہوتا؟ (ڈکوت) اچھا مائی ٹھہر جا اُسے بھی دیکھیں گے پہلے تجھے تو بتا دیں، ڈکوٹ نے اُس کا ہات اپنے ہات میں لیکر کہا "کہ ہونے کو چھتے جتنے ہوں پر تینوں تو یہ اور دو بیٹے اور برکرار (برقرار) رہیں گے۔ تیرا ناؤں کیا ہی؟ (سوہنی) جنم کا ناؤں تو میرا رُوپدئی ہی پر سوہنی سوہنی کہیں ہیں (ڈکوت) بس تو تیری کُنبہ راس ہوئی۔ پھر انگلیوں پر کُنبھ، مین میکھ برکھ گن کر بولا چوتھے منگل ہیں آج تیرا اِن دن ہوے کے کو اچھے ہیں سامان ہیں (سوہنی) سامان کیسے ہوئیں ہیں (ڈکوت) نا اچھے نا بُرے پر بی بی جی

---

۱ دولت۔ ۲ کام ہیں ۳ خوش وخرم ۴ چین ۵ خیرات ۶ ایک منحوس سیارے کا نام ہی ۷ تمام تکالیف ۸ خوش نصیب صاحب اقبال ہونا ہی ۹ طالع تو اچھے ہیں ۱۰ پورا ۱۱ اولاد ۱۲ لڑکا ۱۳ دو بُرج۔ چوں کہ اس کے نام میں اول سین آیا اس سبب سے اُس کی کُبنہ راس ہوئی۔
۱۴ یعنی چوتھے خانے میں مریخ آیا ہی۔

نویں چینٹ دِلں اچھے ہیں اور بُدھ ساتویں پڑا ہی۔ یہ بھی اچھا ہی ایک راہو جو چھٹے ہے یہ من کو جرا چنتا کرنے والا ہی۔ سو ہی تجھ کو پانچ چار دن سے چنتا ہو گی (سوہنی) چنتا تو کئی کئی دن سے لگ رہی ہی جب سے ایک سیانا کہہ گیا ہی کہ تیری بہو کے ایک تو بالک ہوتا نہیں، اور جو ہوا تو جینے کا نہیں اسے تو بڑا بھاری چھپیٹا ہوا ہے (ڈکوت) تیری بہو کہاں ہی جرا ہم بھی تو دیکھیں؟ اُس کی بہو یہ باتیں سُنتے ہی گیا تو ڈیوڑھی کے اندر پردے کے پیچھے کھڑی تھی کیا جلدی سے اُٹھ کر اندر چلی گئی اور جا کر بولی کہ ساسو ماں کو تو یہی لگا رہے ہی یہاں آئی تو یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ جی ہمیں تو ایسی باتوں سے شرم آئے ہی۔ جب سوہنی نے پردے کے اندر گردن ڈالکر دیکھا تو بہو وہاں سے ندارد تھی۔ اس نے یہیں سے پکارا۔ (ساس) اری بچاری کی بہو (بہو) ہاں جی (ساس) اری جرا یاں آئیو۔ اُس نے شرم کی آنکھ سے دیکھا اور کہا کیا کہو ہو (ساس) اری کہوں کیا ہوں آتو سہی جرا یاں تیرا ہات دکھلواؤں۔ بہو پہلے تو مسکرائی اور پھر بیگم صاحب وغیرہ کی طرف دیکھکر کہا کیا ہو گا۔ ہات دکھا کے؟ جو کرموں ہی میں کچھ نہ ہو گا تو ہات دکھائے سے کیا ہو گا۔ اور پوچھا پاچھی سے کیا ہو گا؟۔ کیا جانے ساسو ماں کو کہاں کی پھنکار لگ جاوے ہے (مسلمانوں کے عقائد صاحبان ہنود میں) اُدھر تو بھابھو (ماں) کو جد دیکھو جب یہاں پوچھ آئی وہاں پوچھ آئی۔ کسی کو روپیا دے آئی کسی کو ڈوڑے آئی۔ کسی کا گنڈا لاکے باندھا۔ کسی کا تبیج (تعویذ) لاکے پلا دیا۔ کسی نگوڑے کے گنڈے سے کچھ ہوا۔ نا کسی کے تبیج سے کچھ ہوا۔ ادھر تم کو رات دن یہی جھگڑے لگے رہے ہیں

لہ نویں خانہ میں قمر ہی ۲ہ عطارد ساتویں خانے میں ہی ۳ہ ایک منحوس ستارے کا نام ہی۔

مجھے تو شرم آوے ہے۔ میں تو آؤں نہ جاؤں (ساس) اری بہو میں نے کونسے جھگڑے لگا رکھے ہیں گے۔ میں اسی مارے کدھی پوچھنے پاچھنے کا ناؤں بھی نہیں لیتی ہونگی یہ بھی جانے کیا سنجوگ تھا۔ کیوں مولیا آئے اور کیوں بیگم بلا کے کہیں کہ ہمیں دکھا لو جرا اور سے اُن کے دکھا جا" (بہو) کیا کروں گی دکھا کے یوں ہی ناہک بناہک (ناحق بے ناحق) من کو بھٹکاؤنا" (ساس) "اری ہا لیے آدمیوں کا من کی بھٹکتا ہوا ہی کرے ہی۔ کیا جانے بتلانے سے پوچھا پاچھی سے مطبل (مطلب) ہو جاوے اُو نا بھی ہو تو نا سہی۔ اسی بہانے کچھ ہات سے نکلجاوے گا۔ یوں تو کچھ کسی کو دیا جاتا ہی نہیں بہانے ہی سُر دیا جاوے ہی۔ کہاوت بھی تو ہی نا؟ اِک داتا کی ناؤ پہاڑ پر چڑھی ہی" اسپر بیگم صاحب انا۔ دوا۔ سب نے سمجھایا کہ "لڑکی یہ بھی کوئی عیب ہی جسے کچھ دُکھ ہوتا ہی وہ پوچھا ہی کرتا ہی۔ اور کوکھ کا دُکھ تو خدا کسی کو نہ دے۔ اس کے لیے تو جتنی خاک چھانو تھوڑی ہی۔ کیا ہم لوگوں میں سیانے مُلا نے انہیں ہوتے۔ ہم میں بھی برابر یہ باتیں ہیں۔ ہم سے تو کوئی شرم جب کرے کہ جب ہم اس کو بُرا جانتے ہوں۔ راحت کی جان سے دُور جب میرے پہلونٹھی کا لڑکا ہوا تھا تو ادھر اماں جان نے اُدھر اللہ بہشت نصیب کرے راحت زمانی کی دادی نے دنیا جہان کے ٹوٹکے گنڈے تعویذ۔ نہان۔ چلے منتیں، صدقے سلّے کوئی بات بھی نہ چھوڑی۔ مگر اس کی عمر نہ رہی تھی۔ خاصا چار برس کا پاٹھا ہوا کھیلتا مالتا چل بسا میں سچ کہوں مجھ سے بھی پرہیز نہ ہو سکا جن جن باتوں کو لوگ منع کرتے تھے میں ضد سے دُگنا کرتی تھی"۔

لہ اتفاق ۱۲۰

اگر چہ یہ باتیں گھر کے اندر ہو رہی تھیں مگر ڈکوت کے کان اُدھر ہی لگے ہوے تھے۔ مطلب کی باتیں سُنکر بولا " واہ واہ دھن[1] سو ماجی تم بڑی بھگوان[2] ہو۔ بہت سچ کہو ہو۔ تمھاری بڑی پکی بات ہی۔ تم جتنی بات کہہ رہی ہاؤ ن تو لے پاؤ رتی کہہ رہی ہو" پھر بہو کی طرف خطاب کرکے بولا " اری بیٹی دیکھ تو یہ سب مائیاں اور تیری ساسو کیا اچھا سمجھاویں ہیں۔ ان کا کہنا مان لے" بہو نے ڈکوت سے کہا " اجی مہاراج یہ تو تم سچ کہو ہو۔ اک یہ اچھی کہہ رہی ہیں اور میں بھی سب کچھ جانوں بوجھوں کیا نہیں جانوں ہوں ؟ پر مہاراج بتیرا (بہتیرا) کچھ پوچھ دیکھا۔ بتیرا کچھ کر دیکھا۔ نا تو پوچھے سے ہوا اور نا کچھ کرے سے ہوا۔ بنا کرموں تو چاہے کوئی لاکھ جتن[3] کرے چاہے کوئی لاکھ اوپا[4] ؤ کرے کچھ ہوے نہ ہواے۔ اور مہاراج جو بھاگوں میں نہیں ہوئے تو چاہے برہما[5] جی بھی چل کے آوے تو بھی کچھ نا ہوے اور پُن[6] کی تو بات یہ ہی کہ جس طریوں (طرح) سے کر اُسی طریوں سے اچھا ہی۔ جو کچھ تمھیں چھیئے لے جاؤ پُن کو کون نا نہ کرے ہی (ڈکوت) ساباس (شاباش) اے بیٹی کیا سمہوردار (شعوردار) ہی۔ کیا سُندر[7] بات کہوے ہی تمھارے دونوں ساسو بہوؤں کے پوربلے (اگلے) جنم کا جرور (ضرور) کچھ نا کچھ سنسکار[8] ہی جو تم دونوں ایسی گیان[9] دان سمجھ دان ایک گھر میں اکھٹی ہوئی ہو۔ تم اپنے من میں نشچے (اطمینان یقین) رکھو تمھاری منسا[10] بھگوان جرور پورن[11] کریں گے۔ اور مائی کرنے والے تو سب کام کے بھگوان آپ ہیں۔ ہمارے دیکھنے کا یہی ہی اک جو کوئی گرہ ناکس (ناقص) گھر میں پڑا ہوے اور اُس کی ڈشٹ[12]

---

[1] شاباش [2] مرحبا [3] خوش نصیب [4] تدبیر علاج [5] دنیا کا پیدا کرنیوالا [6] خیرات۔ [7] اچھی خوب [8] تعلق ساتھ [9] عاقل [10] مراد۔ [11] پوری [12] نظر

کرڈر ہوئے تو اُس گرہ کی ٹمٹؔ دان بتلا دویں ہیں۔ بے یہاں آتو سہی"؟ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں نواب صاحب بھی جمعہ کی نماز پڑھ کر آ گئے۔ پہلے توڈ کوت کو خلاف معمول ڈیوڑھی پر بیٹھا ہوا دیکھ کر چونکے۔ مگر جب جوہری مل کی بہو کو دیکھا تو خاموش ہو رہے۔ اس بیچاری نے شرما کر گھونگھٹ کر لیا اور پرے ہٹکر جا بیٹھی۔ نواب صاحب نے چپکے سے جیب سے ایک روپیہ نکال مٹھی میں چھپا پنڈت جی سے پوچھا" پنڈت جی مردوں کا ہات دیکھ کر بتانا بھی جانتے ہو؟۔ یا بیچاری عورتوں ہی کو ٹھگنا آتا ہی؟" اول توڈ کوت نواب صاحب کو دیکھتے ہی بولا میںؔ سدا بھوانی داہنے گوری پتر گنیش + پانچ دیو رچھا کریں، برھما بشن مہیش کارجؔ بندہ۔ من کی کامنا پورن۔ آپ ججمانؔ کیوں نہیں دیکھنا جانتے۔ بھگوان نے بدیا کو سامرتھؔ دی ہی"۔ اُنھوں نے کہا اچھا مہاراج میری مٹھی میں کیا ہی؟ جب اسے بتا دوگے تو ہات بھی دکھائیں گے اور کچھ نذر بھی کریں گے"۔ ڈکوت نے پہلے ہی آنکھ بچا کر دیکھ لیا تھا کہ انھوں نے جیب میں سے کچھ نکالا ہی۔ امیروں کی جیب میں روپے کے سوا کیا ہوگا؟ اس نے کہا آپ تو داتا ہو کلپ برچھ ہو آپ کی بدولت سدا لیتے ہیں اور لیں گے یہ بتائیے اس گھٹ (وقت) دن کتنا ہوگا"۔ نواب صاحب "میں دو بجتے ہی جامع مسجد سے چلا تھا اب ڈھائی بجے ہوں گے"۔ ڈکوت نے اُس وقت کا لگن لگا کے کنڈلی کھینچی اور گرہوں کا حساب سوچ بچار کے کہا روپ رنگ

لہ سخت ۲ہ حصہ ۳ہ یعنی درگا دیوی ہمیشہ تمھارے داہنے ہات پر رہے۔ اور یہ پانچوں دیوتا جن کا نام لیا ہی تمھارے محافظ رہیں اصل میں سفر جاتے وقت کی دعا ہی ۴ہ کام بنجائے ۵ہ آرزو ۶ہ مقلد پیرو۔ آقا۔ مالک ۷ہ مقدرت مقدرہ ۸ہ جنت کے ایک درخت کا نام ہی جو حسب خواہش ہر ایک چیز دیتا ہی۔ سدرۃ المنتہیٰ ۹ہ مقام شمس ۱۰ہ زائچہ ۱۲

ڈھولا ڈول گول اور بادشاہ کا حکم (نواب صاحب) کیا مہاراج پروانہ ہے؟۔
(ڈکوت) صاحب پروانے سے اور تو سارے جواب مل گئے پر گول کا پتا نہیں ملا
اور پروانہ مٹھی میں دبا بھی نہیں میرا بچارہ یہ کہتا ہی گیا تو اٹھنی ہو گیا روپیہ
نواب صاحب نے مٹھی کھول کے روپیہ ڈکوت کے آگے رکھدیا اور کہا کہ
پنڈت جی واقع میں آپ بڑے پکے نجومی ہیں۔ ہم نے اکثر پنڈتوں سے پوچھا اس
طرح کسی نے صاف نہیں بتایا۔ لو ہم تو جاتے ہیں اب تم ہمارے جوہری مل کی
بیوی کو بتاؤ"۔ نواب صاحب وہیں سے اُلٹے قدموں دیوان خانے میں چلے
گئے کہ ایسا نہو یہ بیچاری میرے سبب سے شرما کر کچھ نہ پوچھ سکے۔ جب وہ
ٹل گئے تو جوہری مل کی بہو بھی اپنی جگہ پر چلی آئی۔ یہ باتیں دیکھ کر ہزاری کی بہو
بھی اندر سے چلی اور ساس کے پاس آکر ہو بیٹھی۔ اس سے بیگم صاحب کو
اور بھی یقین ہو گیا کہ ان لوگوں کا علم بڑا سچا ہی۔ بہو نے ساس سے کہا "اجی کہیں
اس نے ہات میں روپیہ دیکھ تو نہیں لیا"(ساس) نہیں تو کہیں دیکھا نہ بھالا۔
جتنی اسے بدیا تھی اُتنا ہی بتا دیا۔ (بہو) تو یہ بہت اچھا پنڈت ہی (ساس) بہت
اچھے کی تو رام جانے اب تو ہی دیکھ لے مٹھی کی چیج (چیز) اپنی بدیا کے جور
(زور) سے بتا دی۔ اُس وقت بہو نے اپنا ہات ڈکوت کے آگے کر دیا۔
اُس نے ہات دیکھکر کہا کہ اولاد تو لکھی ہی (ساس) تو پنڈت جی کب تک لکھی
ہی؟۔ اب ڈکوت نے بہو سے کہا "بیٹی جرا مونہ اوپر کریو" پہلے تو وہ شرمائی
پھر اُس نے سر اونچا کر لیا۔ اس نے کہا "بس معلوم ہو گیا اب تجھے سترھواں
برس ہی۔ بیسویں برس میں اولاد ہوئے پر ہووے اور جونا ہووے (موچھوں پر

بات پھیر کے) تو میں اپنی مُوچھاں منڈوا گیرُوں۔ اور پتھر سے کو جلا کر یہ کام چھوڑ دوں" (ساس) کیوں مہاراج اولاد ہو گی تو بیٹا ہو گا اک بیٹی ہو گی (ڈکوت) اجی ماں جی بیٹا ہی ہو گا اور بڑا ادربھاگی ہو گا پر میں ایک جتن بتاوں اسے جرور نیم سے سادھ کے کرو تو بہت ہی اچھی بات ہو (ساس) کوئی ایسی بات بتاؤ جو نہ آوے میں آپ کر دیا کروں گی اور بچاری تو کچھ کرے نا کراوے بہو کا حال تم نے دیکھ ہی لیا اک اندر سے یہاں تلک کرتے ہوئے چُوداں نکھرے (نخرے) کرے ہی ہاں جو میرے لایک (لائق) بتاؤ گے سو میں کر دیا کروں گی (ڈکوت) مائی ایک تو آٹھویں دن ایتوار کے ایتوار سانجھ کے بکھت کیلے کے درخت کو پہلے تو کورے جل سے سینچو اور دو دن پیچھے رولی اور چاول سے پُوجو۔ اور آٹے کا چونکھا دیوا بنا کے نالے (کلاوے) کی بتی اور گھی سے بال کے رکھو۔ گوگل کی دھونی دو پھر تین بیر پرکما کر کے ساشٹانگ ڈنڈوٹ کرو۔ اس طریوں سے چالیس ایتوار یو جا کرو۔ بیچ میں ہچکی نا پڑے۔ اور جب یہ پُوجا پورن ہو جاوے تو دس بیس چالیس پچاس جتنے تم سے بن سکیں اُتنے برہمن جماد و اور تل چاولی چینٹیوں کو روز ڈال دیا کرو۔ اور دو ڈھائی پیسہ بھر کی گڑ کی ڈلی پیپل کی ڈالی پر لینس دیا کرو۔ دیکھو تو بھگوان کیا کرتا ہے۔ آج کا میرا یہ بچن یاد رکھنا کہ مو لیا کیا کہہ گیا تھا اور جس دن مائی تیرے پوتا ہووے مجھے گھر سے بُلا کے جوڑا پہرائیو۔ بھوجن کرائیو۔ اور ہاتوں میں کڑوں کی جوڑی ال

---

۱ صحیح ۲ اوربھاگی نصیبے کا فیاض ۳ تدبیر ۴ بلا ناغہ قاعدے کے موافق ۵ معمول بندھ کر ۶ سرشام ۷ پانی دینا ۸ طواف گرد پھرنا ۹ ایک خاص طریق کا سلام جس میں اونٹ کی طرح بیٹھ کر سیدھا ہو تے ہیں ۱۰ سلام ۱۲

دیجو۔ سارے شہر میں لالہ جی کا نام کرتا پھروں گا (ساس) دیکھو مہاراج تمہاری دیا سے وہ دن تو رام جی مہاراج کرے۔ بھوجن بھی جیمو۔ جوڑا بھی پہرو اور کرڑے بھی لو۔ اُٹھتے وقت بہو سے کہا۔ اری پنڈت جی کو ایک چونی دے دے۔ (ڈکوت) مائی تو کیو تکلیپہ (تکلیف) کرے ہی۔ میں نے تو نباب (نواب) صاحب سے پہلے ہی ایک مُندرا پایا لیا ہی۔ اب بیگم صاحب کی باری آئی۔ کہا "پنڈت جی ہم لوگ ہات واتھ تو دکھاتے نہیں۔ تم یوں ہی دو چار باتوں کا حال بتا دو ایک تو یہ بتاؤ کہ لڑکی سوتے میں کیوں چونک پڑتی ہی۔ دوسرے یہ جواب دو کہ اس کا بیاہ کب تک ہوگا؟ ڈکوت نے یہ باتیں سُنکر اس وقت کا زائچہ کھینچا اور کہا کہ مائی لڑکی کا ناؤں کیا ہی؟ وہ بولیں راحت زمانی" اس نے کہا تو تلا راسی ہوئی" پھر سارے برجوں اور ستاروں کا حساب لگا کر بتایا کہ مائی ڈرتی تو اس سبب سے ہی کہ اس کو سپنے میں ایک راچھس دکھائی دیا ہی۔ یہ اُسے پکڑنا چاہتی تھی سو وہ ہات نہیں آیا اس کے من کو رات دن اس بات کی چنتا رہتی ہی۔ کہ وہ راچھس کون ہی؟ سو جس دن کسی نے اُس کو سمجھا دیا سارا چونکنا اور ڈرنا جاتا رہیگا۔ رہی بیاہ کی بات سو ابھی چار پانچ برس تو ہوتا نہیں جب تک تمہاری بیٹری کو کوئی بڈیا نہ آجائیگی۔ یہ خود بیاہ کے ناؤں سے لڑنے کو دوڑے گی تم دس ملانے کھلا دو اور جو کچھ ستر ہا ہو وہ میرے حوالے کرو۔ میں اس کی جپ کردوں گا مگر جپ کا خرچ الگ پڑے گا۔ بیگم صاحب نے دو رُپے پرشن پوچھنے کے دیے اور تین۳ رُپے جپ کے ٹھہرے کہ جس روز سے شروع کرو ہزاری کی ماں سے لیجانا۔

لے مقدور ۔ لے سوال ۱۲

چنانچہ اُنھوں نے صبح ہی سے جپ شروع کردی اور وہ تیس روپے بیگم صاحب کے نام لکھوا کرلے گئے۔ یہاں بیگم صاحب نے بی مغلانی کے آتے آتے ڈکوت کی یہ کارستانیاں اور بی سوہنی کی سُگھڑ بھلائیاں دیکھ لیں۔ وہاں وہ بے چاری بیٹھے بیٹھے سُوکھ گئی۔ اتنا دن کاٹنا دشوار ہوگیا۔ بارے خدا خدا کر کے چار گھڑی دن رہے کا وقت آیا۔ انھوں نے بیراگی جی کو یاد دلایا۔ اُنھوں نے سروڈے کے قاعدے سے ناک کے سُر دیکھ کر کہا کہ ”بیاہ میں تو ابھی بڑی دیر معلوم ہوتی ہے۔ اگر آج ہوا تو پانچ چھ برس میں ہوگا۔ ہاں بر تو بہتیرے ملیں گے مگر لڑکی بیاہ کے نام سے بھاگے گی اس کا سنجوگ پانچ ہی برس کا معلوم ہوتا ہے۔ آگے جوتشیوں سے دریافت کرو ہم نہیں بتا سکتے“۔ یہ باتیں سُنکر بی مغلانی جو ہیں وہاں سے چلیں پیچھے پیچھے بیراگی جی کا ایک بالکا ہولیا اور وہ چپکے سے نواب صاحب کا گھر دیکھکر اُلٹا چلا گیا۔ (اب یہاں کا قصّہ یہیں چھوڑ کر بی مغلانی کے داماد کا ذکر کیا جاتا ہے)

جس وقت بی مغلانی یہ مفت کا مال لیکر بیٹی کے گھر گئیں تو اتفاق سے اُس وقت داماد بھی بیٹھا ہوا تھا یہ ”گج“ دیکھکر اُس کے مُونھ میں پانی بھر آیا ایک کونے میں چپکا بیٹھا کن انکھیوں سے بندر کی طرح دیکھا کیا۔ مغلانی کی بیٹی کوٹھری میں جا کر اُن روپوں کو گننے اور دیکھ دیکھ کر دل خوش کرنے لگی کہ اتنے میں اُس کا دُودھ پیتا بچہ جاگ اُٹھا۔ یہ روپوں کو اسی طرح جوں کا توں چھوڑ لڑکے کے پاس گئی پہلے تو ذرا سا دُودھ پلایا پھر سو رہنے کے واسطے گھبراہٹ میں افیم کا انٹا کھلا تھپک تھپکا چلی آئی۔ ماں اُدھر بیراگی کے ہاں چلی گئی اس وقت اُس کے خاوند نے اور بھی اچھی طرح دیکھ لیا کہ آج تو ساس بڑا مال مار کر لائی ہے۔ اب بھی مرے

نہ اُوڑا دُگے تو اور کونسا وقت آئے گا۔ جتنی حسرتیں باقی ہیں وہ اس سے پوری کرو مگر پہلے کسی طرح بیوی کے پنجے سے نکالو جب کام بنےگا۔ یہ سوچ کر باہر گیا اور دو چار مھوسوں سے جن میں کیمیا بنانے کی دھت تھی منّت سماجت کر کے چوہوں کے بہلانے سے ڈھائی تولے سنکھیا لایا اُسے خوب باریک پیس گھننے والے کی دُکان سے نہایت عمدہ قلاقند خریدا اس میں سنکھیا ملا ایک جان کر لیا جب وہ گوندا سا ہوگیا تو اُس کے لڈو باندھ لیے اور گھر کو چلا۔ جس وقت میاں باہر چلا گیا تو بیوی نے فرصت پا کر اگلے پچھلے سب رُوپے نکال اُن کو بار بار گنا اور دل میں کبھی زیور کا کبھی کپڑے کا منصوبہ باندھنا شروع کیا یہاں تک کہ لڑکا نشے میں اینٹھ کر رہ گیا مگر ان کو خبر نہ ہوئی یہ جُوں جُوں روپے گنتی تھی قضا کھڑی کھڑی ہنستی تھی کہ "اری کم بخت اپنی محنت کی کمائی ہوئی دولت تو پاس رہتی ہی نہیں یہ کیونکر تیرے پاس رہیگی۔ اور دو گھڑی خوش ہولے پھر تو کہاں اور یہ روپیہ کہاں"؟ بیوی ابھی تک روپے گن ہی رہی تھی کہ میاں نے آن کنڈی ہلائی یہ وہیں روپے کپڑے سے ڈھک کواڑ کھولنے چلی گئی اُس نے گھر میں آکر پہلے تو اخلاص اور خوشامد کی باتیں کر کے بیوی کا دل ہات میں لیا اور پھر کہا کہ آج تو بیوی گھننے والے نے ایسے عمدہ لڈو بنائے تھے کہ مجھ سے بن خریدے نہ رہا گیا۔ اپنا حِصّہ تو وہیں کھڑے کھڑے چٹ کر لیا تمھارے حصے کے لیتا آیا ہوں۔ میرے دل نے گوارا نہ کیا کہ میں تو کھاؤں اور میری بیوی اس مزے کی چیز کو نہ کھائے۔ وہ غریب اس کی اتنی محبّت دیکھکر اور بھی باغ باغ ہو گئی اور پوچھنے لگی اچھے سچ بتانا کتنے کے لڈو ہیں اس نے کہا تمھاری جان کی قسم

بارہ آنے کے لیے تھے چار آنے کے میں نے کھائے آٹھ آنے کے تمھارے
واسطے لایا کہ خوب جی بھر کر کھا لیں۔ بیوی نے پانچ روپے صندوقچے میں سے
لا کر ان کو دیے اور کہا کہ "اس کا اور جو کچھ تمھارا جی چاہے لے کر کھا لو میں اپنی خوشی
سے یہ روپے تم کو دیتی ہوں کل ذرا سا ہمارا بھی کام کر دینا وہ یہ ہے کہ کسی سنار کے
پاس جا کر میرے ننھے کے کڑے اور گھونگرو بننے کو دے آنا۔ ہاں دو دفعہ کیوں
جاؤ ساتھ کے ساتھ میرے لیے سونا خرید کر گلے کی چمپا کلی ہاتوں کی پہنچیاں پاؤں
کے لچھے بھی بننے کو دیدینا۔ مگر سونا چنے کا خریدنا۔ بار بار چیز نہیں بنتی۔ تم بھی اپنے
واسطے کپڑا اللہ جو کچھ چاہو عمدہ سے عمدہ بنا لو خاوند کی عزت کپڑے سے بیوی کی
گہنے پاتے سے ہوتی ہے۔ آج اماں کو سرکار سے انعام ملا تھا۔ اگرچہ وہ تو چھپا کر
دے گئی ہیں مگر میں تم سے کس کے لیے چھپاؤں میرے سر کے تو تم ہی مالک ہو۔"
اس نے کہا "اجی دم بھر میں سب کچھ بنوا دوں گا نہیں تو بنا بنایا لا دوں گا" بیوی
بولی "بنا بنایا ایک تو کا جو بھو جو ہوگا۔ دوسرے اس میں کھوٹ ضرور ہوگی۔ میں تو
بازار و چیز نہیں لیتی مجھے تو بنوا ہی دینا۔ اس نے کہا اچھا "کل روپے دیدینا
سنار کو دے آؤنگا۔ میرے کپڑوں کی فکر نہ کرو اپنے ہی بنا لو۔ میں مرد بچہ
ہوں تن ڈھک لینے سے کام ہے۔" بیوی نے کہا یہ نہیں ہونے کی پہلے تمھارے
کپڑے بن لیں گے پیچھے میرا گہنا پاتا بنے گا" میاں نے کہا "خیر تمھاری ایسی ہی
خوشی ہے تو مجھے کیا انکار ہے کل تو ہونے دو۔ اے لو یہ لڈو کھا لو ایسے میں گرما گرم
ہیں پھر یہ مزا نہیں رہنے کا۔" بیوی نے کہا "تم بھی تو کھاؤ" یہ بولا کہ صاحب یہ تو
تمھارے ہی منگا کے ہیں میں تو پہلے ہی کھا آیا۔ اگر مجھے مزا نہ دیتے تو تمھارے

واسطے کیوں لاتا ان کا ذائقہ ہی دیکھ کر تو بے اختیار تمہارے کھلانے کو
جی چاہا۔ اگر اس وقت تم نے کھانے میں ہچر مچر کی تو میرا دل تم سے کھٹا ہو جائیگا
کہ کس محبّت سے تو لایا اور کیا قدر ہوئی"۔ غرض وہ بیچاری کھاتے تو کھا گئی مگر
تھوڑی دیر نہ گزرنے پائی تھی کہ ہونٹوں پر پپڑیاں بندھنی اور کلیجہ کٹنا شروع
ہو گیا۔ چاہتی تھی کہ گھبرا کر باہر نکلجائے اس نے پکڑ کر چارپائی سے باندھ دیا اُدھر
تو بیچاری نے تڑپ تڑپ کر دم دیا اُدھر آپ لوٹنے لگی ایک گھنٹے کے اندر کام تمام
ہو گیا۔ جب اُس موذی نابکار نے دیکھا کہ بالکل ٹھنڈی ہو گئی تو روپے سنگوانے
کا فکر کیا۔ تھیں گنا تو پانچ کم نو سو روپے کی ڈھیری نکلی۔ دیکھتے ہی آنکھیں کھُل گئیں۔
ایک تھیلی میں بھر دس پانچ روپے خرچ کے واسطے اوپر رکھ کے باہر قفل لگا چلتا
بنا۔ اسٹیشن پر آ کر اکبر آباد کا ٹکٹ لیا وہاں پہنچتے ہی سرائے میں اُترا دو نوکر رکھے
علیحدہ رہنے کے واسطے کمرہ ٹھہرایا دو چار روز تو سرائے میں پڑا رہا پھر پانچ روپیہ
مہینے کا ایک مکان کرایہ کو لے کر اُسے فرش و فروش سے آراستہ کر نوابی ٹھاٹ
سے رہنے لگا۔ فوراً اپنی اور اپنے نوکروں کی عمدہ پوشاک چار درزی بٹھا کر دو
روز میں سلوالی۔ یار لوگوں نے مال مفت دلِ بے رحم سمجھ کر چار دن کو نیا نواب بنا دیا
آئے دن ناچ و گانا ہونے اور طبلہ کھڑکنے لگا۔ اس میں دو چار آدمیوں سے بگڑ
بھی گئی مگر انھوں نے کچھ پروا نہ کی

بی مغلانی بیراگی سے مل خوشی خوشی اپنی سرکار میں آئیں اور اس طرح جوگی
کا حال بیان کیا کہ "بیوی وہ تو کوئی بڑا ہی پہنچا ہوا فقیر ہے۔ اس کے مونھ سے جو کچھ نکلتا
ہے ہو کر رہتا ہے میں جو گئی تو سیکڑوں آدمیوں کا ٹھٹ لگ رہا تھا۔ کوئی ہزار کی تھیلی

لیے کھڑا تھا۔ کوئی پانچ سو لیے بیٹھا تھا۔ جب تک یہ لوگ بیٹھے رہے میں الگ کونے میں کھڑی رہی۔ جس وقت ذرا چھیڑ ہوئی تو میں بھی آگے بڑھی اور پہلے ہات جوڑ کر پان سو روپئے نظر دکھائے۔ وہ تو دیکھتے ہی آگ بگولا ہوگیا۔ اور ایک ایسا ہات مارا کہ سارے روپئے انگنائی میں بکھر گئے۔ پھر میری طرف دیکھ کر کہا کہ گھر میں ہی بیٹھے بیٹھے بہتر تو دوڑو لیے آجاتی ہیں مگر اُن کی بھیٹ کا ذرا بھی خیال نہیں کیا جاتا۔ اگر تو روپئے کا بندوبست نہیں کرسکتی تو ہمیں روپئے کی ضرورت تھی نہیں ایک پہلونٹھی کے بچے کی بھیٹ دیدے اور ٹھنڈے ٹھنڈے اپنے گھر چلی جا اس میں تیرا ہی بچہ ہو یا کسی اور کا مگر تو اُسے راضی کرلا جب تو پیچھا چھوٹ سکتا ہی نہیں تو تیرے سارے محلے اور سارے کنبے تک پر آفت آجائے گی ہمارے مؤکل ایسے ہیں کہ اینٹ سے اینٹ بجا دینگے۔ لو بیوی یہ سُنکر میرا ایمان کانپ گیا اور اُسی وقت ایک تھرتھری سی چھوٹ گئی۔ میں نے کہا بیراگی جی ہم تو غریب آدمی ہیں جانے یہ روپئے بھی بیگم صاحب نے کیونکر چھپا چرا کر دیے تھے دو سو روپئے اور لے لو اور اب کی میرا قصور معاف کردو۔ غرض بڑی مشکل سے میں نے اور اُس کے بالکوں نے منت سماجت کرکے اسے ٹھنڈا کیا۔ کچھ مٹھائی منگا کر دی جب جاکر بیراگی جی سامان میں آئے اور کہا "اب تو کچھ کام نہیں لینے کی"، میں نے کہا کیوں نہیں۔ اب کی دفعہ تو میں تم کو اتنا روپیہ دلوا دوں گی کہ تم رکھ بھی نہ سکو گے ہماری بیگم صاحب ناقدری نہیں ہیں وہ آدمی کی بڑی قدر کرتی ہیں۔ تم نے اُن کے اوپر اتنا احسان کیا ہی کہ وہ اسی میں سر نہیں اُٹھا سکتی ہیں" بیگم صاحب بولیں "اور

لہ مؤکل ۔

لڑکی کے بیاہ کو کیا کہا" مغلانی بولی "اس ہیں تو اُنھوں نے پانچ چھ برس کی دیر بتائی ہی اور کہا ہی کہ بر تو اب بھی بہتیرے ملیں گے مگر لڑکی راضی ہوتے نہیں دکھائی دیتی اور جو زبردستی کر بھی دیا تو اُس کا نتیجہ خراب ہوگا ہاں اگر بیگم صاحب جلدی چاہتی ہیں تو ہمارے بیراگیوں کا بھنڈارا کریں اس میں کوئی دس ہزار روپیہ صرف ہوگا۔ مگر کام بھی ایسا بنے گا جیسے کہتے ہیں" بیگم صاحب نے کہا "کیا بڑی بات ہی جہاں سو وہاں سوا لئے دس ہزار روپے اور قرض نکلوالیں گے یا کوئی گاؤں علیحدہ کر دیں گے۔ ہمیں اس اکلوتی بچی کے سوا اور کون دکھائی دیتا ہی جسکے لیے چھوڑ جائیں" ؟ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ بی مغلانی کے محلے کی حلال خوری آئی اور کہا "مغلانی آج کیا ہی کہ تمھارے گھر میں نہ تو داماد ہی اور نہ بیٹی ہی دکھائی دیتی ہی؟ دوپہر سے دروازے پر قفل چڑھا ہوا ہی" یہ سنتے ہی مغلانی کا ماتھا ٹھنکا پاؤں تلے کی مٹی سرک گئی چاہتی تھی کہ تڑاقا کھا کر گرے۔ سب نے سنبھال لیا اور پوچھا خیر تو ہی" اس کے موںھ سے صرف اتنا نکلا کہ "بیگم وہ بندی تو دونوں طرح لُٹی" اُسی گھڑی ننگے پاؤں ننگے سر اُس کے ساتھ ہو لی۔ بیگم صاحب تو نری اگلے وقتوں کی بیوی تھیں۔ اب بھی نہ سمجھیں کہ یہ بات کیا ہی۔ دل ہی دل میں کڑھنے لگیں کہ لاکھوں میں اُس بیراگی نے کوئی موٹھ پھینکی یا بیر دوڑا کر اُس کی بیٹی اور داماد کو اٹھوا منگایا ہی ہی ابھی تو موئی نے اپنی جوانی کا سُکھ بھی نہیں دیکھا تھا۔ کم بخت نانصیب کے بیاہ کو پورے پانچ برس بھی تو نہیں ہوئے تھے۔ خدا جانے اس کے بچے کا کیا لکھا پورا ہوا ہوگا۔ خدا اس جادو ٹونے سے بچائے۔ موے بیراگی کو اتنا کچھ دیا اور اب بھی بھانویں نہیں ہوا ایسا ہی تھا اور سو پچاس روپے مانگ لیتا۔ میں کیا دینے سے

باہر تھی۔ ان نپٹھے بٹھائے غریبوں کو اُجاڑ کر کیا لیا" لیکن کیا کریں چپ تھیں۔ میاں سے یہ نہیں کہہ سکتی تھیں۔ بیٹی سے یہ بیان نہیں کر سکتی تھیں۔ لونڈی باندیوں سے کہتے ہوئے ان کو ڈر لگتا تھا کہ کہیں ایسا نہو کہ میں ان سے کہوں اور اُن کے مونھ سے میاں کے سامنے رُوپیوں کا ذکر نکلجائے اُلٹے لینے کے دینے پڑجائیں ایسے موقع پر چُپ ہی بہتر ہی۔ مگر ساتھ ہی دل میں یہ ہی کہتی تھیں کہ دیکھو اگر آج کو میں اُسنے نہ چھپائی تو اتنا تو ہوتا کہ وہ جاکر دیکھ آتے بُرے بھلے کی صلاح دیتے یا کسی نوکر ہی کو بھیجدیتے اب تو میں کہیں کی بھی نہ ہی"۔ غرض ان کے دل کو بھی مغلانی کی طرف کا ایک کھٹکا لگ گیا کہ "کب مغلانی آوے اور کب اُس کا دُکھڑا سُنوں" مغلانی جو وہاں گئی تو اُس نے سچ مچ قفل لگا ہوا پایا۔ جب کسی طرح نہ کھلا تو لہار کو بُلوا کر تڑوا ڈالا۔ آپ اور حلال خوری دونوں کی دونوں اندر جو گئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ ایک طرف جان جوان بیٹی دنیا سے مُونھ موڑے سوتی ہی۔ دوسری طرف دو ڈھائی برس کا پالا پوسا نواسا ماں کا ساتھ دیے پڑا ہی۔ بیٹی کے مونھ سے کلیجہ کٹ کٹ کر خون بہ رہا ہی بچے کے مونھ سے کف جاری ہیں۔ حلال خوری تو اتنا دیکھ کر رفوچکر ہوئی جاتے ہی تھانے میں رپٹ (رپوٹ) بولی۔ وہاں سے اُسی وقت دوڑ چلی۔ یہاں بی مغلانی نے بیٹی کو گلے سے لگا کر کہا "اے کم بخت نانصیب میں تو تجھ مجھ کو موس کر تیرے لیے یہ کچھ عیش کے سامان کروں اور تو اپنی جوانی کا سُکھ بھی نہ دیکھے۔ یہ رنڈیا اب کسے بیٹی کہہ کر پُکارے گی اور کس کے لیے گھر دوڑ دوڑ کر گھر آئے گی۔ مجھ جلی کو جلا کر کیا لیا۔ بیمار تو نہیں تھی کہ صبر آجاتا۔ کسی سے لڑی بھڑی تو نہیں تھی کہ وہی سبب خیال کیا جاتا۔ نناتواں تجھے نہیں ہوا تھا سچ تو یہ

یہ ڈھائی گھڑی کی موت کس کے صبر میں آگئی۔ اے میری اماں کی کہنے والی اُٹھ تو سہی۔ مُونھ سے تو بول مکھڑا تو کھول"۔ جب اسے پیٹ چکی نواسے کے پاس گئی۔ کیوں میاں ننھے! اپنی نانی کا رستہ دیکھتے رہنے والے آج کیا ہی ابھی سے سو گئے اور ایسے سوئے کہ قیامت تک اُٹھائے نہ اُٹھو گے۔ اپنی نانی سے ایسے بیزار ہوئے کہ تم بھی ماں کے ساتھ ہی چل بسے تمہیں بھی اُسی ناشاد نامراد کا پہلو بسانا تھا"۔ یہ کہہ کہہ کر گلے سے لگاتی جاتی تھی اور دھڑا دھڑ پیٹتی جاتی تھی کہ اتنے میں دوڑ آ پہنچی تھانہ کے سپاہیوں کو دیکھتے ہی اُنا کا رہا سہا دم نکل گیا۔ خوف کے مارے تھر تھر کانپنے لگی۔ کاٹو تو خون نہیں۔ ایک دفعہ ہی زرد پڑ گئی۔ تھانے دار صاحب نے آتے ہی بڑھیا کو پکڑا۔ اور کہا "بتا تو نے کیوں ان دونوں کو زہر دیا پہلے تو قطامہ نے خیال نہیں کیا اب فیل مچانے بیٹھی ہے"۔ وہ قسمیں کھاتی ہے کہ میرے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں یہ میری بیٹی ہے وہ نواسا ہے۔ ان کے سوا دنیا کے پردے پر میرا کون بیٹھا تھا صاحب کے لیے بیٹی سی چیز ہات سے کھو دیتی؟ میں انہیں زہر دیتی یا پرورش کرتی؟ یہ تو کچھ ازغیبی آفت ہے"۔ مگر یہ کس کی سنتے ہیں۔ کانسٹبلوں نے بھوک کی دہاڑ ڈالی کہ "تھانہ دار صاحب! تحقیقات کو ساری رات پڑی ہے پہلے اس بڑھیا سے کھانے پینے کا تو بندوبست کر لیجیے۔ بلی بھی پیٹ کے لیے چوہا مارتی ہے۔ دھڑ میں پڑے گا تو سب کچھ سوجھے گی" یہ سُنکر مغلانی نے خود ہی ڈر کے مارے بٹوے میں سے چار روپے نکال حوالے کیے اور کہا کہ "تھانہ دار صاحب! غریب ہوں بیکس ہوں۔ رانڈ ہوں بیوہ ہوں، گرموں جلی پیاروں کھائی ہوں اوپر خدا ہی نیچے تم ہو۔ میری عزت تمہارے ہات ہے"۔ تھا دار صاحب بولے "خندی! اب غریب

دے بے کس بیٹی ہی جانے کس کی خاطر بیٹی کو زہر دے کر چلی گئی۔ تا کس کس کو مکان میں
چھوڑ کر گئی تھی"۔ اس نے کہا" بس ایک داماد اور تھا۔ ان تین آدمیوں کو چھوڑ کر گئی تھی
اُس نے کہا" داماد کہاں ہو"؟ "مجھے کیا خبر"؟۔ "تیری بیٹی اور داماد میں لڑائی رہتی
تھی یا سلوک تھا"؟۔ اس نے کہا" نہ تو لڑائی تھی اور نہ بہت سلوک ہی تھا"۔ "جب
تو گئی تو وہ کیا کر رہا تھا"؟ "وہ الگ کونے میں بیٹھا تھا"۔ "بیٹی کیا کر رہی تھی"؟ "وہ
کوٹھری میں روپئے گن رہی تھی"۔ "بس مُدعا مل گیا"۔ "بھلا کتنے روپے تھے"؟
سات سو کی ڈھیری تھی"۔ "کہاں سے لائی تھی"؟ "اپنی سرکار کے گھر سے" "سرکار
نے کیوں دیے تھے"؟ "گنڈے تعویذ کے لیے"۔ "قطامہ یوں کیوں نہیں کہتی کہ
میں ٹھگنی ہوں وہاں سے ٹھگ کر لائی تھی ایسی ہی ایسی کٹنیوں نے تو شہر کو لوٹ کر
تباہ کر دیا ہو۔ وہاں سے تو لائی۔ یہاں داماد نے لالچ میں آ کر زہر دیدیا"۔ "میاں
داماد کو تو خبر بھی نہیں ہی"۔ "تو بڑی سچی ہو۔ اس سے پہلے بھی کچھ لائی تھی"؟ "ہاں
دو سو روپے اور لائی تھی"۔ "تیری سرکار کا مکان کہاں ہو"؟ "چیلوں کے کوچے
میں" "کیا آدمی ہو"؟ "مجھے کیا خبر۔ پوڑوں کے نواب ہیں سیکڑوں گاؤں خدا نے
دے رکھے ہیں۔ انھیں کیا کمی ہو"۔ "نواب صاحب نے یہ روپے دیے تھے یا چرا کر
لائی تھی"۔ "جھوٹ کیوں بولوں نواب صاحب نے تو نہیں دیے تھے اُن کی بیگم
صاحب نے دیئے تھے۔ لڑکی بہت بیمار تھی اُس کے علاج کے واسطے لائی تھی"۔
"علاج کون کرتا تھا"؟ "مادھو داس کی باغیچی والا بیراگی۔ اُن کا جنتر ایسا ہو کہ جو کچھ
میری بیگم صاحب چاہتی تھیں وہی ہو گیا"۔ "بیگم صاحب کی کیا مراد تھی"؟ "یہی کہ لڑکی
سامان میں آجائے میاں کا مُونھ کل جائے"۔ تھانہ دار صاحب نے کہا۔ بس پتا تو لگ گیا۔

مگر تونے آپ تو سیکڑوں روپئے مارے اور ہمیں اتنے آدمیوں میں چار روپئے اونٹ کے موتھ میں زیرہ لے کر دیئے" اس نے کہا" لو دو رُپئے اور لے لو میری عزت بچ جاے گی تو سب کچھ دوں گی" ادھر اُدھر جو دیکھا تو لڈّوں کا دونا۔ اور اس میں دو چار لڈّو بچے ہوئے رکھے ہیں۔ تھانہ دار صاحب نے کہا" بے شک اسی میں زھر ملا کر کھلایا ہی" بڑھیا نے کہا کہ" بڑی بی یہ دونوں ہی کی چاٹ تو مارنی ہی" وہیں بڑھیا کی بلی کھڑی تھی۔ اُس میں سے ایک لڈّو اس کے آگے ڈال دیا وہ کھاتے ہی لوٹ پوٹ ہو گئی۔ دونوں لاشیں اور بڑھیا کچہری میں گئیں وہاں سے لاشیں اسپتال میں مٹی عزیز کرنے کو بھیجی گئیں اور بڑی بی حوالات ہو گئی اسپتال میں اول تو ڈاکٹر صاحب نے لڈّوں میں سے سنکھیا نکالی۔ پھر دونوں لاشوں کا پیٹ چاک کیا تو اُس عورت کے پیٹ میں سے سنکھیا اور لڑکے کے پیٹ میں سے افیون نکلی۔ قیاس سے معلوم ہوا کہ افیون تو گھبراہٹ میں مقدار سے زیادہ کھلائی گئی۔ سنکھیا بھی اکٹھی ڈیڑہ تولے نکلی۔ مغلانی سے داماد کا حلیہ عمر قد دریافت کر کے وارنٹ جاری ہوا۔ اور دو سو روپے کے انعام کا اشتہار دیا گیا کہ" جو کوئی شخص اس خونی کا پتہ لگائے گا اُس کو یہ انعام ملیگا" لالچ خورے ادھر اُدھر دوڑ پڑے۔

مغلانی کو حوالات میں رات دن رونے کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ جب دیکھو جب آٹھ آٹھ آنسو روتے دیکھو۔ اگر کسی وقت ذرا رونا تھمتا تو زبان سے اس کے سوا کچھ نہ نکلتا کہ" اے کم بخت لالچ تیرا بُرا ہو! خدا تجھے دنیا کے پردے سے کھوئے تونے ادھر تو میری سرکار سے مُونھ کالا کرایا۔ اُدھر سارے شہر میں ڈونڈی پٹوائی جوان بیٹی کی جان جُدا گئی۔ نواسا جُدا مُوا مجھے تو کہیں بھی مونھ دکھانے کی جگہ نہ رہی

اب خدا کو کیا جواب دوں گی" وہاں تو مغلانی پر یہ بنی یہاں جس وقت بٹھائیں ٹھائیں کر گیے رات کے تین بجے بیراگی جی کے چار پانچ سنڈے سنڈے بانکے جو بڑے دھاڑی چور تھے نواب صاحب کے مکان میں کمند ڈال آن اُترے۔ ایک لٹھ لیکر نواب صاحب کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ ایک اسی طرح بیگم صاحب کے سر پر جا کھڑا ہوا۔ ایک ٹہلتا رہا دو نے مال سمیٹنا شروع کیا۔ جس قدر مال اسباب اوپر تھا سب لیکر چلتے بنے۔ راحت زمانی کے کمرے میں وہ روشنی دیکھ کر جانا چاہتے تھے کہ انّا کی آنکھ کھل گئی اُسنے جھوٹ موٹ مردوں کا نام لے کر کہا "کریم بخش تو اُٹھا ہی؟ خواجو تو ہی؟ جانے کیا ہوا آج نگوڑی نیند ہی نہیں آتی۔ بچوں تم تو پڑے رہو! کیوں اُٹھ اُٹھ کے بیٹھ جاتے ہو۔ کیا تمھاری نیند کو بھی کوئی لے گئی" جب چور چلے گئے تو ایک ایک کو جگایا چوروں کا نام سُنتے ہی سب کا کلیجہ دھک دھک کرنے لگا۔ بیگم صاحب تو اُٹھ بیٹھیں مگر نواب صاحب گُھنّے سادھ گئے کہ ایسا نہ کوئی چور بیٹھا ہو اور مجھ پر وار کرے ادھر راحت زمانی پیٹ پکڑے پکڑے پھرنے لگی۔ اُدھر نوکریں چاکریں جوانمردی دکھانے لگیں۔ کوئی کوٹھے پر چڑھتی ہی اور دور ہی سے کہتی ہی کہ "وہاں تو برات بیٹھی ہی" کوئی کہتی ہی" واہ چور کے پاؤں کہاں وہ تو میری کھنکار کے ساتھ ہی بھاگ گئے" کوئی کہتی ہی مینے بھی آنکھیں مٹمٹا کر دیکھا تھا۔ اکٹھے بارہ آدمی تلواریں، سونٹے، لٹھ، سنبھالے کھڑے تھے۔ موئے موؤں کا کیسا بڑا قد تھا کہ شہتیر معلوم ہوتے تھے آگے کالے کالے دھنیوڑے ویسے ہی موٹے ڈھنگے۔ مشعل سی آنکھیں چمکتی ہوئیں سارے گھر میں اس طرح پھرے جیسے انھی کے باپ دادا کا گھر ہی۔ اے لو چولہے میں ہگ بھی گئے۔ ہمارا باورچی خانہ ان موؤں کا پاخانہ ٹھہرا" ایک کہتی ہی" بُوا مجھے خبر نہ ہوئی میں تو

موؤں کو ایک چیز پڑھ کر اندھا کر دیتی"۔ دوسری کہتی ہے" واہ تم تو اندھا بنا ئیں میں جاگتی تو موؤں کے پیر کیل دیتی"۔ جب نواب صاحب کو یقین ہو گیا کہ چوروں کا کوسوں پتہ نہیں تو اُٹھے باہر جا کر نوکروں کو جگایا۔" ابے تم پہرہ دیتے ہو یا بے خبر پڑ کر سوتے ہو دیکھو تو آج چور سارا گھر موس کر لے گئے"!۔ انھوں نے کہا" نواب صاحب یہ آپ کے کہنے کی بات ہے۔ کھٹکا تک تو ہوا ہی نہیں ورنہ ہم ادھ جیتا جانے نہ دیتے۔ ابھی ہیں کھیت رکھتے" ایک بولا" بھرت پور کی لڑائی میں ایک صاحب کے ہمراہ اول میں نے ہی تلوار کا وار کیا تھا" دوسرے نے کہا ملتان کی لڑائی میں مولراج کو میں نے ہی نیچا دکھایا تھا" باتیں تو سب بنا رہے تھے یہ کسی سے نہیں ہوتا تھا کہ ادھر ادھر جا کر کھوج نکالیں یا اُن کا پیچھا کریں بقول شخصے کہ" دھلی والوں کے حصے میں سارے جسم کے عوض زبان ہی میں طاقت آگئی ہے باتوں کے دھنی ہی ہیں"۔ غرض اتنے میں صبح ہو گئی نوکروں نے کہا کہ تھانے میں حکم ہو تو رپٹ لکھا دیں شاید کچھ سُراغ لگ جائے"۔ نواب صاحب نے کہا مجھے منظور نہیں کہ اپنا ہی تو مال جائے اور آپ ہی چور بنوں تھانے کی حاضر باشی عدالت کی دربار داری مجھ سے نہیں ہونے کی جس کی قسمت کا لکھا تھا لے گیا خدا ہمیں اور دیگا۔ اور یہاں نہ دے گا تو عاقبت میں ہمارے واسطے جمع رہوے گا آپ اس خیر خواہی سے معاف رکھئے۔ القصہ جب بی مغلانی کو حوالات ہو گئی تو دوسرے روز تھانے دار صاحب نے کہا" اب ان کے آقا سے نادار کی بھی خبر لینی چاہیئے۔ دن نکلتے ہی نواب صاحب کے مکان پر آموجود ہوئے اول تو آتے ہی حضور والا کو دو چار اوکھیاں سنائیں اور کہا کیوں حضرت کٹنیوں کو روپے دیکر لوگوں کو زہر دلواتے ہو! بہت دنوں تو اپی گی۔ اب ساری حقیقت کھل جائیگی

ہر مرتبہ گڑ میٹھا نہیں ہوتا۔ سَو دن سُنار کے ایک دن لُہار کا خدا جانے آج تک
کتنے خون کروائے ہونگے۔ یہ نہ جانا کہ ایک دن کسی نہ کسی غریب کا خون رنگ بھی لائیگا
آپ کی صورت تو دیکھیے کیا مقطع ہی اور گوتکوں کو ملاحظہ فرمائیے کہ کیا ہیں"۔ نواب
صاحب کے آئے اوسان جاتے رہے کہ الٰہی یہ بات ہی کیا ہی۔ دل میں تو آیا کہ جواب
ترکی بہ ترکی دوں" مگر حاکم کا منہ دیکھکر خاموش ہو رہے اور قانون نہ جاننے کے
باعث خود ہی چور سے بن گئے ورنہ مقدور تھا کہ تھانہ دار صاحب یہ زبان درازی کرسکتے
یا ایک نیک چلن بھلے مانس کی اس طرح عزت اُتارتے جب تھانے دار صاحب
کی باتیں سُنتے سُنتے کلیجہ پک گیا تو ایک دفعہ دل کڑا کر کے جواب دیا "سبحان اللہ
کرتو ڈر نہ کر تو خدا کے غضب اور پولیس کی چھپٹ سے ڈر۔ تھانے دار صاحب ذرا
ہوش سے بات کیجیے۔ یہ انگریزی عملداری ہی باپ کے گناہ میں بیٹا اور بیٹے کے
جُرم میں باپ نہیں پکڑا جاتا یہاں ایک ایک بات کا قانون بنا ہوا ہی۔ آپ رعیت
کی حفاظت اور اُس کے آرام کے واسطے ہیں۔ اس امر کے مجاز نہیں ہیں کہ خواہ مخواہ
ایک بھلے مانس کی پگڑی اُتاریں۔ افسوس آج کو ہیں ڈپٹی کمشنر۔ کمشنر کپتان وغیرہ
ان افسروں سے ملتا رہتا تو آپ کی مجال نہ تھی کہ آپ موہنہ زوری کرتے۔ جب تک
ہماری سرکار کو ان اُمور کی خبر نہیں ہوتی جب ہی تک آپ کی یہ ناجائز حکومت اور
سختی چلتی ہی۔ اس وقت میرا مختار یا وکیل یہاں موجود ہوتا تو ابھی آپ کو اس گستاخی
اور ہتک عزت کا مزا چکھا دیتا۔ ہم تو کچہری کے نام سے ڈرتے ہیں اور اب آپ کی
کارروائی دیکھ کر ہمارا اور بھی ایمان کانپنے لگا"۔ تھانہ دار صاحب لگے مردبننے سے
ذرا ڈھیلے پڑے اور کہا کہ "جناب آپ کیا فرماتے ہیں۔ ہم لوگوں کی روٹی سولی کی ہی

اگر ہم اس طرح دھمکا کر کام نہ لیں اور ہر ایک بات کا سُراغ نہ لگائیں تو اُن مجرموں کی جگہ ہم خود حوالات میں بیٹھے ہوں۔ اکثر موقعوں پر صرف ڈر بڑا نے سے کام نکل آتا ہے۔ آپ معاف فرمایئے مجھے خبر نہ تھی کہ آپ ہی نواب صاحب ہیں میں نے جانا کوئی داروغہ ہے۔ اب ذرا مہربانی فرما کر میری باتوں کا جواب دیجیے۔ آپ نے اپنے ہاں کی مغلانی کو دو روز میں نوسو رُپئے کیوں دیے تھے اور کوئی ہوتا تو ہم یوں کہتے کہ فی جان کیا ٹھہرا تھا"۔ مغلانی کا نام سُنکر نواب صاحب کا دل پکڑا گیا کہ بے شک یہ ان عورتوں کے کیے کوتک ہیں۔ یہاں کچھ ضرور دال میں کالا ہے۔ تھانے دار صاحب نے کہا آپ سوچتے کیا ہیں اور کس فکر میں گئے۔ اُس کمبخت نے اظہاروں میں لکھوایا ہے کہ نواب صاحب نے میری بیٹی اور نواسے کو زہر دینے کے صلے میں نوسو رُپئے دینے کیے تھے جس میں سے دو سو تو پہلے دے دیے تھے اور سات سو زہر کھلانے پر دیے"۔ نواب صاحب بولے "صاحب خدا کو دیکھا نہیں عقل سے پہچانا ہے اول تو یہی قیاس میں نہیں آتا کہ بی مغلانی جو اپنی بیٹی کی دم کی پروانہ ہیں۔ آپ اُسے یا اپنے پیارے نواسے کو زہر دیدیں۔ وہ صرف اُسی کی خاطر نوکری چاکری کرتی ہے ورنہ اُسکا کون بیٹھا ہے؟ جس کے لیے کمائے۔ دوسرے اُس کی بیٹی میری دشمن یا ترکہ بٹانے والی نہ تھی کہ میں اُسے اور اُس کے بچہ کو زہر دلوادیتا۔ یہ بات تو میرے دل کو نہیں لگتی کہ مغلانی اس طرح کے اظہار دے۔ یہ تھانہ دار صاحب آپ ہی کی کارروائی معلوم ہوتی ہے۔ خطا معاف فرمایئے گا میں نے تو اُس بیچاری کو کوڑی نہیں دی۔ ہاں گھر سے چُرا چھپا کرلے گئی ہو تو اُس کی خبر نہیں میں جا کر دریافت کرتا ہوں اتنے میں آپ حقہ پئیں دم لیں ستائیں۔ ایسی جلدی ہی کیا ہے۔ یہ بھی آپ ہی کا گھر ہے

تھانہ دار صاحب نے کہا "آپکی عنایت ہی مگر ذرا جلدی آیئے گا

گھر میں آتے ہی اول تو صحت خانے میں لوٹہ رکھوایا۔ پھر نکل کر بیگم صاحب سے پوچھا "تمھیں کچھ خبر بھی ہی؟ بی مغلانی نے کیا گل کھلایا ہی۔ کب سے غائب ہیں؟ کہاں گئی ہیں؟ کچھ لے لوا تو نہیں گئیں"؟ یہ بولیں تم بھی خوب ہو جیستوں پر طوفان بیتے ہو۔ ایک بیٹی کے سوا اُسکا کون ہی۔ جہاں جاتی وہیں گئی ہی۔ میرا کیا لے جاے گی" اچھا تو اتنے نو سو رُپے اُس کے پاس کہاں سے آگئے؟ ذرا صندوقچہ لاکر دیکھو" بیگم صاحب نے کہا دیکھا دکھایا ہی وہ نگوڑی چور نہیں ہی۔ میں نے خود ہی ایک کام کے واسطے دیے تھے"؟ وہ کم بخت تو لیتی بھی نہ تھی"! اچھا" کس کام کے واسطے دیے تھے"؟ کہا تمھاری لاڈو کے علاج اور تمھارے بہکے ہوے مزاج کی درستی کے لیے" یہ سُنتے ہی نواب صاحب کا چہرہ لال اور آنکھیں سُرخ ہو گئیں۔ آئیں تو جائیں کہاں! خوب ہی بیوی کی فضیحتی کی غصے کے مارے اپنے ہات کاٹ کاٹ کھاے اور مُنھ پیٹ پیٹ لیا۔ پھر طبیعت کو سنبھال کر کہا کہ آپ کے دولت خانے پر تھانہ چڑھ کر آیا ہی کہ تم نے نو سو روپے دیکر مغلانی کی بیٹی اور اسکے نواسے کو زہر دلوایا ہی"؟ ہیں؟ میں کیوں زہر دلوانے لگی تھی"۔ نواب صاحب نے کہا کہ "وہ تو میرا نام لیتے ہیں، اور طرح طرح سے میری سفید ڈاڑھی کو کلف لگاتے ہیں۔ تم تو عورت ذات اور ناقص العقل بن کر چھوٹ جاؤگی میں کیا کروں گا"۔ اب تو بیگم صاحب کا دل تو نوہات اچھلنے لگا۔ ایسی سٹ پٹائیں کہ موتھ سے پوری پوری بات بھی نکلنی بند ہو گئی۔ یہ کچھ کہتی ہیں موتھ سے کچھ نکلتا ہی۔ نواب صاحب کی ذرا سمجھ میں نہیں آتا۔ اپنے تیئں آپ ہی نوچ نوچ کھاتے ہیں کہ "الٰہی کس غضب میں جان آئی"۔ باہر سے تھانہ دار صاحب نے

تقاضا بھیجا کہ "آپ تشریف لاتے ہیں یا ہم خود ہی خدمت میں حاضر ہوں"۔ نواب صاحب
نے پھر دل کڑا کر کے کہا "ٹھہرو آتے ہیں تمھارا ہی کام کر رہے ہیں"۔ بیوی نے دل
تھام کر کہا "اچھی یہ کیا غضب ہوا۔ میرے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں کہ باہر کیا ہو رہا ہے"۔
وہ بولے غضب کیا ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے بیٹی کے پاس رُپے لیجا کر رکھے
ہیں وہاں اُس کے بدمعاش داماد نے یہ چالاکی کی ہوگی کہ بیوی کو زہر کھلا کر آپ
چلتا بنا ہوگا یا کسی اور چور نے یہ کام کیا ہو۔ غرض ہے کوئی ایسی ہی بات نہ تم مجھ سے
چھپا کر روپے دیتیں اور نہ یہ آفت آتی سچ پوچھو تو اُس بیچاری کی جان تمھیں نے
کھوئی۔ خدا کی بھی مواخذہ دار رہیں اور یہاں بھی بدنامی رُسوائی ذلت جو کچھ قسمت
میں لکھا تھا پیش آیا اب بتاؤ میں کیا کروں؟ کیا جواب دوں اور کیونکر اس آفت کو
اپنے گھر سے ٹالوں"۔ بیگم صاحب بولیں "صاحب! مردوں سے زیادہ تو میری عقل
نہیں ہے تمھیں جو کچھ مناسب جانو سو کہہ سن دو"۔ نواب صاحب نے کہا "اب تو ہماری
عقل بڑی ہوئی۔ جب تمھاری عقل ہمیں سے بھی بڑی تھی کہ مردوں سے بن پوچھے
گچھا نکال کر حوالے کر دیا اپنی گرہ سے جاتا تو معلوم ہوتا یا خدا علم دیتا تو زمانہ کی اونچ
نیچ سمجھتیں اخباروں میں لوگوں کی چالاکیاں اور عیاریاں دیکھ کر گھر بیٹھے ہی
زمانہ کا تجربہ حاصل کرتیں۔ اتنی غفلت ہماری طرف سے بھی ضرور ہوئی کہ ہم نے جو کچھ
دیا اُلٹ کر نہیں پوچھا کہ بیوی صاحب سیاہ کرتی ہو یا سفید۔ آج کو ہم روز کا حساب
لیتے اور اپنی جمع چھاتی تلے رکھتے تو یہ بات نہ ہوتی۔ ہم نے جسقدر دوڑاؤ[ل] اُٹھایا تم نے
بڑھاپا خیر ہونے پا بن گئے کھائی اب کھاؤں تو رام دُہائی۔ کاٹ کی ہانڈی ایک ہی

[ل] دوی۔

دفعہ چڑھتی ہے۔ بار بار نہیں چڑھتی۔ بیگم صاحب نے کہا خدا کو مان کر میرا پیچھا نہ لو میرا آپ دل ٹھکانے نہیں ہے۔ ایک تو میں خفقانی۔ دوسری یہ تمھاری ہرانی جتانی۔ تم اپنے نو سو روپئے دودھ پیتے مجھ سے لینا میں ابھی باوا جان کو کہلا بھیجوں تو وہ تمھاری کوڑی کوڑی بھیج دیں۔ بھٹ میں پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان۔ میں کوئی بھوکے ننگے گھر کی نہیں ہوں۔ اب بھی خدا نے سب کچھ دے رکھا ہے۔ میرے ماں باپ گون کے رکھنے والے مٹ نہیں گئے۔ آج کو اُن کا دَم نہ ہوتا تو تم مجھے ناک چنے چبوا دیتے" یہ کہہ کر جو رونا شروع کیا تو پرنالے بہا دیئے ساون بھادوں کی جھڑی لگ گئی۔ اور کہا کہ "جنگل والے کا گوشت کھاؤں جو تمھارے گھر کی روٹی کھاؤں"۔ غرض نواب صاحب تو بک جھک کر گھر سے باہر تشریف لائے۔ اب صاحبزادی نے ماں کے مزے لیے کہ" اماں جان دیکھا جن اسے کہتے ہیں جو خود سر چڑھ کے بولے۔ بی مغلانی سے بڑھ کر کون دل سوز ہوگا جس نے گھر کا گھر موسا۔ رسوا کا رسوا کیا۔ اور ان موؤں تھانے کے دیوؤں کچہری کے کتوں کو پیچھے لگا دیا۔ اگر اب بھی میری اماں کی عقل پر پردہ پڑا رہا تو دیکھنا آگے آگے کیا کیا گل پھولیں گے۔ بقول شخصے کہ ؎

ابتدائے وہم ہے روتا ہے کیا   آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

پرسوں کی چوری بھی لاکھوں میں اسی کی سازش سے ہوئی وہ جو کہتے ہیں "بے بھیدی چوری نہیں" کچھ جھوٹ تھوڑا ہی ہے۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھاتا ہے۔ ماں نے کہا چل میرے مونھ نہ لگ مُردار کی شامت آئی ہے۔ جب تو پیٹ کی اپنی نہیں ہوئی تو وہ تو پھر غیر تھی"۔ اور اماں سچ پوچھو تو یہ بھی تمھارے کارن ہوا نہ تم پر اتنا دم چڑھتی اور نہ یہ پھپھڑی پٹتی"۔ نواب صاحب نے باہر آکر اول تو تھانے دار صاحب سے پوچھا

آپ صاحبوں نے کھانا بھی کھایا؟ تھانہ دار صاحب بولے جی ہاں کھالیں گے کھانے کی کیا جلدی ماری جاتی ہی۔ سرکاری کام سے زیادہ کھانا نہیں ہی۔ اگرچہ کرتے سب کچھ پیٹ کے ہی لیے ہیں کیونکہ "بلی بھی مارتی ہی چوہا پیٹ کے لیئے" نواب صاحب اس رمز کو سمجھ گئے جھٹ بازار سے مٹھائی کی ٹوکری کچوریوں کا ٹوکرا منگا سب کے روبرو رکھ دیا اور کھانا کھلاتے ہیں ساری حقیقت دوہرا دی کہ "صاحب وہ چرا کر تو نہیں لے گئی مگر ایک بہانے سے ضرور لے گئی ہی۔ سو ہمیں اس روپئے کا دعوی سرکار سے نہیں ہی کون حیران ہوتا پھرے اُس کا خدا دلائے گا تو دے دے گی ورنہ ہم سے تو گیا۔" تھانہ دار صاحب نے کہا "کیوں نہ ہو نواب صاحب ہی جو کھلائے۔ ایسی ہی فیاضی منظور ہی تو کچھ ہمیں بھی دلوا دیے تاکہ صبح سے ٹانگیں توڑ رہے ہیں۔ روٹی کے نہ ٹکرے کے رحم کے قابل تو ہم لوگ ہیں نہ کہ وہ قطامہ" نواب صاحب نے فرمایا "آپ سے کیا ہم باہر ہیں مگر کچھ ایسا لکھ پڑھ دیجیے کہ اب ہم سے کسی امر کی پوچھ گچھ نہ ہو۔" اُنھوں نے کہا "ایسا ہی ہوگا۔ یاروں کی مٹھی تو گرم کرو۔" نواب صاحب نے سو روپے نکال کر چپکے سے دیئے۔ تھانہ دار صاحب بولے کہ ہم سے تو وہ کٹنی اچھی جو نو سو روپے تو لے گئی۔ معلوم ہوتا ہی کہ بیگم صاحب دل کی فیاض اور نواب صاحب دل کے تنگ ہیں۔ اجی حضرت! یہ تو فقط ہمارے ساتھ ٹالے ہی لے لیں گے جب اُن کی زبان بند ہوگی، فرمائیے ہمیں کیا نیچے گا؟ اتنا بڑا مقدمہ اُس میں سو رُپئی کا سلوک۔ ہم تو صبح اُٹھ کر یہی دعا مانگتے ہیں کہ خدا بھاگوان کے گھر لیجائے کسی کنجوس مکھی چوس سے پالا نہ پڑے۔" القصہ اسی قدر اور روپے لا دیے جب خدا خدا کرکے تھانہ دار صاحب سے پیچھا چھوٹا۔ مگر اُنھوں نے کچھ ایسا لکھ پڑھ دیا کہ

پھر نواب صاحب تک کسی امر کی تحقیقات نہیں آئی۔ ہاں دوسرے تیسرے ایک کانسٹبل
کھڑا رہنے لگا۔ کبھی روپیہ انعام کا لے گیا۔ کبھی دو رُپے خبر سنانے کے لے گیا اور جو
کچھ نہ ہُوا تو روٹی ہی کھا کر ٹلا۔

جس وقت تھانہ دار صاحب یہاں سے دل تازہ اور چھاتی پُر کر کے چلے تو
رستہ میں صلاح ٹھہری کہ آؤ ذرا مادھو داس کی باغیچی میں چل کر اُس بیراگی بدمعاش
کو بھی ٹٹولیں "کتنے پانی میں ہی" غرض لال قلعے کے نیچے نیچے وہاں پہنچے کیا دیکھتے
ہیں کہ ایک اونچا سا چبوترہ بنا ہوا ہی۔ اُسکے اوپر ایک گبھا۔ گبھے پر آسن پاٹی بچھاے
مہنت بنے ایک سنڈ مسنڈ بیراگی جی بیٹھے ہوے مالا پھیر رہے ہیں۔ ایک طرف دو چار
تنگے بھنگ کی کونڈی پر طاقت آزمائی کر رہے ہیں۔ دوسری طرف چرس اُڑ رہی ہی۔ کوئی
بالکا چرس بھر بھر کر پلا رہا ہی۔ دم لگ رہے ہیں۔ کوئی بھنگ چھان چھان کر لا رہا ہی قدحے
بھر بھر کر پی رہے ہیں۔ مہادیو کی تعریف ہو رہی ہی بیراگی جی کی آنکھیں سُرخ ہیں موج میں
بیٹھے ہوے ڈکاریں لے رہے ہیں۔ بیسیوں جوان اور خوبصورت عورتیں بیٹھی ہوئی پاؤں
دبا رہی ہیں۔ جن بیچاریوں کی اتنی رسائی نہیں وہ ہات باندھے سامنے کھڑی ہیں۔ ان
عورتوں میں ہندنیاں بھی ہیں اور مسلمانیاں بھی۔ زیادہ تر وہ عورتیں ہیں جو روزمرہ جمنا
اشنان کرنے جاتی ہیں۔ کوئی کہ رہی ہی کہ "بابا جی مہاراے تو کرم پھوٹ گئے ہاتوں لکھا
تو مٹ بھی جائے کرموں لکھا نا مٹے۔ جب لگ سا سو جیتی رہی اُس کا دکھ رہا اب جو وہ
مر گئی تو گھر والا اُس سے بھی جادہ (زیادہ) ہو گیا بھوئے مُونھ بات تو پوچھتا ہی نہیں کہ
اک تو کہاں بسے ہی۔ رسوئی جیمنے آئے گا اور تاؤلی سے چلا جائیگا کچھ اب کر دو کہ وہ اپنے
گھر کو گھر سمجھے نہیں تو میں جہر (زہر) کھا کر مر جاؤں گی" کوئی کہتی ہی "اُس بندی کو کوکھ کا دُکھ

جو ہے کا بچہ بھی نہیں ہوتا"۔ کوئی کہتی ہے "میری ساس دیورانی جٹھانی۔ بلاسی پیچھے پڑی رہتی ہے اُن کا موتھ کیل دو جو میرا گھر بسے۔ کوئی کہتی ہے "میرے بچے کو مغلی آزار ہے" کوئی کہتی ہے "میرا بچہ آئے دن نظر میں آتا رہتا ہے" کسی نے کہا میں جمناجی کا بہانہ کرکے آئی ہوں مجھے اویر ہوئے ہے۔ کوئی بولی "میں میلے کا نام لے کر آئی ہوں مجھے جلدی سے جانا ہے"۔ کسی نے کہا میری ڈولی باہر کھڑی ہے میں خالا کے گھر جانے کو آئی تھی آپکی بھی زیارت کرچلی" کوئی بولی "میں نے بھائی کی بیماری کا بہانہ کیا تھا جب سُسرال سے نکلنا ہوا۔ ہمیں جلدی سے رخصت کردیجیے"۔ بیراگی جی کے چیلے چانٹے دیکھ دیکھ کر مگن ہورہے تھے، کوئی ادھر سے ٹھکراتا ہوا نکل جاتا تھا۔ کوئی اُدھر سے دیکھتا ہوا چلا جاتا تھا۔ کسی نے زیور تاکا۔ کسی نے طعنہ دیا کہ "آتی جاتی ہیں باباجی کے بھوجن کی کوئی خبر نہیں رکھتی"۔ یہ سُنتے ہی جن کے پاس مٹھائی کی ٹوکریاں تھیں اُنھوں نے وہ سامنے رکھ دیا جن کے پاس نقدی تھی اُنھوں نے وہ نذر پکڑی۔ باباجی گم صُم بنے بیٹھے تھے چیلے ہی کسی سے کہہ دیتے سنجا (شام) کو آنا۔ کسی سے فرماتے راجہ کرن کے پہرے سے پہنچا تمھارے سب کام سدھ ہوجائیں گے۔ باباجی یا تو مہادیوجی کی آرتی کرکے بولتے ہیں یا بہت ہی تڑکے (علی الصباح) اشنان دھیان کرکے باتیں کرلیتے ہیں اور کوئی وقت ان کے بولنے کا نہیں ہے ہر دم مالک کے دھیان گیان میں مست رہتے ہیں۔ تھانے دار صاحب چپکے کھڑے ہوئے تماشا دیکھا کیے۔ جب ساری باتیں اپنے دھیان میں کرلیں اور ہر طرح کا قیاس لڑا لیا تو کانسٹبلوں سے کہا کہ "ذرا باباجی کو اس گدی سے نیچے اُتار کر دیکھو تو اس میں کیا کچھ کرامات بھری ہے۔ ہر چند باباجی نے نیلی پیلی آنکھیں کیں اور ڈرایا کہ بابا کیوں سراپ لیتا ہے اور اُن کے بالکے بھی بھنگ کے سونٹے لے لے کر دھمکانے آئے مگر ان

کالے کوؤں نے ایک نہ سُنی۔ جونہیں گبھا اُٹھایا ایسا بھاری معلوم ہوا کہ اُٹھ بھی نہ سکا وہیں اودھیڑا دھاڑ کر دیکھنا شروع کر دیا۔ تہ بہ تہ روئی کے پہل اور ہر پہل میں ننھے بچوں کی سیکڑوں کرٹے کانوں کی بالیاں بالے عورتوں کی نتھنیاں نتھیں کسی میں کان کی لو اٹکی ہوئی کسی میں ناک کا نتھنا اُلجھا ہوا۔ یہ چیزیں نکلیں بس اتنا پتا لگتے ہی بالکوں سمیت بیراگی جی کی مشکیں کس لیں جتنی عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں توبہ توبہ کرتی پتہ توڑ کر بھاگیں جب سارے گبھے کا مال اکٹھا کیا تو ہزاروں روپے کا زیور بیسیوں کان بیسیوں ناکیں جمع ہوئیں اور معلوم ہوا کہ یہ جو دو چار برس سے برابر بچے اور عورتیں غائب ہو جاتی تھیں اور اکثر لوٹوں اور چوریوں کا پتہ نہیں لگتا تھا وہ سارے ان بیراگی جی صاحب ہی کے کیے کوتک تھے ایک کانسٹبل نے ہنسی سے کہا کہ جب اوپر اتنا مال ہی تو اس چبوترے میں کیا کچھ دولت ہوگی باباجی تو لاکھ کے ہی چبوترے بیٹھتے ہونگے۔ تھانہ دار صاحب کے خیال میں بھی یہ بات آگئی اُسے جو کھدوایا تو سیکڑوں پُرانی اور حال کی چوریوں کا مال بچوں کے کٹے ہوئے ہات مع زیور نکلے۔ تھانے دار صاحب کے تو گھر سے ہو گئے کچھ مال تو تیر کر دیا اور کچھ مع مجرم سرکار میں پہنچایا۔ جب باباجی سے دم دلاسا دیکر دریافت کیا تو اُنھوں نے ساری باتیں قبول دیں اور کہا کہ وہیں ایک تہ خانہ بھی ہے جس میں عورتوں اور لڑکوں کی لاشیں جمع ہیں۔ غرض ہر طرح سے یہ ثابت ہو گیا کہ اس کے بالکے توراتوں کو بڑی بڑی چوریاں کرتے اور ڈاکا ڈالتے تھے اور یہ جھاڑ پھونک گنڈے تعویذ کے بہانے عورتوں اور بچوں کا خون کیا کرتا تھا۔ اور وہیں پاس کے پاس اُسی تہ خانے میں جو اُسنے اپنے چیلوں سے بنوا رکھا تھا مار کر ڈال دیتا تھا۔ دن بھر بھنگ چرس رات بھر شراب اُڑاتا اور خوب عیش سے بسر کرتا تھا۔ جب تہ خانے کو دیکھا تو وہاں سے

واقع میں سیکڑوں لاشیں نکلیں بلکہ بعض تو تازی لاشیں تھیں مقدمہ دورے سپرد ہو گیا اور کچھ عرصہ بعد سب کالے پانی بھیجے گئے۔ شہر کی عورتوں میں ہی مچ گئی۔ ایک دفعہ ہی سب کے اعتقاد جوگیوں بیراگیوں۔ ملانوں سیانوں کی طرف سے اُٹھ گئے اور کوئی دن اس نام کی چڑ ہو گئی۔ مگر جب نبی ستیا ہوئی تو اُس نے پھر وہی باتیں شروع کر دیں جن کو یقین ہے یہ کہانی اور ہمارا اخبار النسا ایک نہ ایک دن ضرور اٹھا کر پھینک دے گا۔ اس مقدمے کے باعث تھانے دار صاحب انسپکٹر اور تمام کانسٹبل ایک دفعہ ہی سارجنٹ ہو گئے۔ بیراگی جی کا سارا عیش ناک کے رستے نکل گیا۔ کسی نے سچ کہا ہے "کردنی خویش آمدنی پیش" جیسا کوئی کرتا ہے ویسا بھرتا ہے۔ آج کو وہ عورتیں جن کی جانیں اس اولاد و دنیوی جھگڑوں کے کارن یوں گئیں۔ تجربہ کار ہوتیں اور ان لوگوں کے ڈھکوسلوں میں نہ آتیں تو کیوں اپنی اور اپنے بچّوں کی جانیں کھوتیں۔ نہ زیور پہناتیں اور نہ آپ ہی گنڈے تعویذ کے پیچھے ماری ماری پھرتیں۔ اس تعویذ طومار کے اعتقاد نے بڑی بڑی نیک بختوں کے ایمان اور عزت پر بٹّہ لگایا ہی سچ ہی جلدی سے اعتقاد آنا بھی بُرا اور اتنا وہم بھی بُرا۔ اس میں بیوقوف کا بیوقوف بننا پڑتا اور نقصان کا نقصان اُٹھانا ہوتا ہے۔ خدا ہمارے ہندوستان کی عورتوں کو ہدایت اور علم نصیب کرے تاکہ وہ ان ٹھگوں کی باتوں میں نہ آئیں اور ذرا عقل سے بھی کام لیں۔

جس وقت بیراگی جی کے پکڑے جانے کی خبر سارے شہر میں پھیلی تو نواب صاحب نے گھر میں آکر کہا کہ تم نے بی مغلانی کے بیراگی صاحب کا حال بھی سُنا؟ آج وہ دھرے گئے بڑے دھاڑی چور اور خونی آدمی نکلے۔ ہزاروں کا زیور سیکڑوں عورتوں کی ناکیں کان اور بچّوں کے ہات زیور سمیت اُن کے گھر سے برآمد ہوئے بلکہ ایک تہ خانے میں سے

بہت سی لاشیں بھی نکلی ہیں۔ خوب ہوتا جو ایک روز یہاں بھی دھاڑ چڑھ آتی اور دھڑی دھڑی کر کے لوٹنے کے علاوہ جانوں کا بھی نقصان ہوتا جب بی مغلانی جی کی پوری پوری قدر ہوتی اور کیا عجب ہی جو اُس روز کی چوری اُنھیں لوگوں نے کی ہو وہ تو اُنکا موقع نہیں بنا جاگ ہو گئی۔ ورنہ اس سارے بھول پن اور سادگی کا مزہ چکھا جاتے تم بوڑھی جرما سے تو یہ لڑکی ہی عقلمند ہی راحت زمانی بولی اے ابا وہ چور بیراگی کے بالکے ہی تھے۔ کیا تم نے سُنا نہیں؟ خدا بخش داروغہ کہہ رہا تھا کہ بیگم صاحب اُس بیراگی کے اسباب ہیں دو چار چیزیں تو عین بعین ہمارے ہی گھر کی سی تھیں آج کو تھانہ میں لکھوا دیتے تو دعویٰ تو کر سکتے تھے۔"

نواب صاحب بولے کہ بھئی یہ تو خدا نے اچھا ہی کیا کہ تھانے میں نہیں لکھوایا نہیں تو اور لینے کے دینے پڑ جاتے جانے کیا کیا چھپ جاتی ہیں تو اُن چیزوں کو پہچانتا بھی تو اپنی نہ بتاتا۔ خدا بخش تو احمق ہو گیا ہی اُس کی عقل ماری گئی ہی۔ دُوراندیشی کے تو پاس ہو کر نہیں نکلا یہ باتیں سُنکر بیگم صاحب کے اور بھی کان ہوئے غیر اور اجنبی عورتوں سے یہاں تک بیزار ہوئیں کہ گھر کی لونڈی باندیوں تک کو فریبی، دغاباز سو دشمنوں کا ایک دشمن جاننے لگیں فقیرنیوں اور باہر کی عورتوں کا آنا جانا بالکل بند کر دیا۔ چلو صبح کا بھولا شام کو گھر آئے تو اُسے بھولا نہیں کہتے یہ بھی غنیمت ہوئے میں اس قصّے کو تمام کر کے اب پھر بی مغلانی کا ذکر چھیڑتا ہوں۔ جب اُن کو حوالات میں پڑے پڑے بہت سے دن ہو گئے اور محلے والوں کو ترس آیا تو وہ حاضر ضامنی دیکر لے آئے۔ مغلانی کے داماد کے واسطے دو سو رُپے کے انعام کا اشتہار تو جاری ہو ہی چکا تھا۔ لوگ ادھر اودھر اُس کی تلاش میں دوڑ گئے داماد صاحب نے جب دیکھا کہ اکبر آباد کے لوگ بڑے بے ڈھب ہیں جن کو یار بناؤ وہی دوسرے کے ساتھ سلوک کرتے دیکھکر دشمن ہو جاتے ہیں اور ہر ایک یہی چاہتا ہی کہ

جو کچھ ہو ہمیں کوٹے دو اس کی یہی تدبیر بہتر ہو کہ آؤ دو چار کانسٹبلوں سے دوستی کریں
جن سے ان بدمعاشوں کی بھی کنی دبے اور وقت بے وقت کام بھی آجائیں۔ دو چار
روپے یہ بھی نہ شد سہی۔ دشمنوں کے دانت تو کھٹے ہونگے۔ غرض دو سپاہیوں سے یارانہ
گانٹھا۔ یہاں تک ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہوے کہ ان کے بغیر اُن کو اور اُن کے بغیر انکو
چین نہ تھا روز مفت کی روٹیاں توڑتے اور چلتے وقت دو دو چار روپے الگ بنا کر لیجاتے
یہ بھی مال مفت دل بیرحم سمجھ کر خیال نہ کرتے۔ شدہ شدہ وہ اشتہار آگرے کے تھانے
میں پہنچا۔ ان کے دونوں یار اس کو سُنتے ہی تاڑ گئے۔ کہ ہوں نہ ہوں یہی مرشد ہوں حُلیہ
بھی ملتا ہوا ہی۔ آپس میں کہنے لگے کہ بھئی خدا نے کیا کام بنوایا ہی۔ ڈھونڈو نہ تلاش کرو اور
مزے سے بھگتا دو۔ وہ جو کہتے ہیں ہلدی نہ لگی نہ پھٹکری وہ یہی موقع ہی جب خدا کو دینا
ہوتا ہی تو اسی طرح چھپر پھاڑ کر دیا کرتا ہی۔ مزا تو جب ہی کہ جو کچھ اُس کے پلے بچا کھچا ہو وہ
بھی سنگواؤ۔ ایسی بُرد کہاں ملتی ہی۔ چپڑی اور دو دو پانچوں اُنگلیاں گھی میں اور چھٹا سر
کڑھائی میں۔ گھر آئی دولت چھوڑے وہ بھی بے وقوف اور جو ایسے ظالم کو نہ بندھوائے
وہ بھی احمق۔ غرض یہ منصوبہ کر تھانے سے اُٹھ دونوں کے دونوں اپنے یار پاس پہنچے دیکھا
کہ مجرا ہو رہا ہی۔ کنٹھے پہلے ہی سے گلے کا طوق بنے ہوئے ہیں۔ ہاتوں میں مولسری کی لڑیاں
منکڑیوں کی فال نکلوا رہی ہیں۔ پان کی سُرخی آنکھوں کے سرور سے خونی ہونے کی علامت
جھلک رہی ہی۔ گویا اُس بے گناہ کا خون سر پر کھیل رہا ہی۔ سارے نوابی ٹھاٹ موجود ہیں۔
بھر بھر مٹھیاں بیلیں مل رہی ہیں۔ انھوں نے جاتے ہی کہا۔ میاں اللہ بخش سلام علیکم۔ کہو
کچھ دین و دنیا کی خبر بھی ہی یا سوتے ہی رہو گے اُنھوں نے کہا ؎

اب تو آرام سے گزرتی ہے   عاقبت کی خبر خدا جانے

وہ بولے نہیں ملک الموت سامنے آگیا۔ یہ سنتے ہی سارا نشہ ہرن اور محفل بھنڈ
ہوگئی۔ کہنے لگے ارے میاں خیر تو ہی۔ کہیں میری ساس تو نہیں آگئی۔ بابا جو کچھ چاہو سو لیلو
لو مگر مجھے کسی طرح یہاں سے بھگا دو۔ انھوں نے کہا ساس تو نہیں آئی مگر سسرال کا پیغام
آگیا ہی۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ہم آپ چھوڑ دیں کیونکہ ہم بھی سرکاری نوکر ہیں۔ ایسا کریں تو
آپ بھی مارے جائیں۔ ہاں حق دوستی اس طرح ادا کر دینگے کہ ایک وکیل تمھاری طرف
سے کرا دینگے وہ تم کو اس بلا سے بچا دے گا جو کچھ موجود ہی وہ ہمارے حوالے کرد جو شخص
مقدمہ لڑانے کے واسطے کھڑا کیا جائے لیکن اس روپئے کے دینے کا نام نہ لینا یہی
کہنا کہ سب صرف ہوگیا۔ ورنہ جب سرکار نے چھین لیا تو وکیل کہاں سے ہوگا اور تم کیونکر
بچوگے۔ القصہ جو کچھ بچا بچایا تھا وہ اس طرح اینٹھ لیا اور ہاتوں میں جھنجھنیاں پاؤں میں
ہتھکاریاں ڈال خونیوں کی طرح ننگی تلواروں کے سائے میں لیکر تھانے میں پہنچے وہاں سے
دہلی کو چالان ہوا۔ یہاں مقدمہ چھنا۔ اظہار ہوے میاں اللہ بخش نے پولیس کے دم
میں آکر جرم کا اقرار کیا بلکہ جن لوگوں سے سنکھیا لائے تھے اور جن دکانداروں سے خریدی
تھی وہ بھی دھرے گئے۔ مغلانی کے داماد کو پھانسی باقی لوگوں کو قید ہوئی۔ آگرے
والے سپاہیوں کے گھرے ہوگئے پورے کا پورا انعام پھٹکارا۔ بی مغلانی بھی نہ بچیں
دھوکا دینے کی علت میں چار مہینے کا جیلخانہ بھگتا اور وہیں چکی پیستے پیستے چھوٹنے سے چار
دن پہلے مر گئیں کوئی رونے والا نہ رہا اور نہ کوئی گاڑھنے والا سرکار نے یوں ہی گڑھے
میں ڈلوا دیا۔ سچ ہی برے کام کا برا انجام ہوتا ہی اس لالچ کے پیچھے اپنی بھی عاقبت خراب
کی اور داماد کی بھی اگر بالفرض یہ روپیہ رہتا بھی تو کے دن کا تھا کچھ اس سے عمر تو کٹتی نہیں
مگر یہاں بھی موتھ کالا ہوا تھا وہاں بھی ہوتا۔ الٰہی تو اپنے بندوں کو لالچ سے بچا یہ بری بلا ہی

اُس کا مارا پانی نہیں مانگتا۔ ایمان کی جڑ کھود کر پھینک دینے والا یہی نیولا ہے
اور دنیا کے لہو سفید کرنے والا یہی غضب۔

یہاں تو یہ جھگڑے پھیل رہے تھے وہاں لڑکی کا یہ حال کہ اُسے ہر وقت
خواب کی جستجو تھی۔ گھڑی گھڑی باداجان کو بلاتی کہ اچھی اُن مولوی صاحب کو
بلا دو نا! جنکا تم نے ذکر کیا تھا کہ وہ بڑی اچھی تعبیر دیتے ہیں۔ نواب صاحب
فرماتے بیٹا ذرا اور صبر کرو یہ قصہ مٹ لے پھر اطمینان سے تعبیر پوچھ لینا۔ بیٹی
کہتی جب تک میں بھول گئی تو کیا پوچھوں گی۔ وہ کہتے اپنی استانی جی کو اُس کی
ساری کیفیت تاریخ اور ٹھیک ٹھیک وقت لکھوا دو۔ اُس وقت راحت زمانی کو بڑا ہی
افسوس آتا کہ دیکھو آج کو میں کچھ بھی لکھنا پڑھنا جانتی تو جوبات بالفعل چھپانے کے
قابل ہے وہ دوسروں پر کیوں ظاہر ہوتی۔ اس کے علاوہ پھر خواب کی تعبیر ہی
کیا رہیگی۔ استانی جی تو سنتے ہی ایک نہ ایک تعبیر دے بیٹھیں گی۔ میں لکھواتی
تو نہیں ہاں یاد خوب کر لیتی ہوں۔ خدا کا دیا سر پر۔ ایک دفعہ رات کو سوتے
وقت دوسری مرتبہ صبح کو اُٹھتے وقت سبق کی طرح کہہ لیا کروں گی۔

غرض جب یہ سارے جھگڑے ہو ہوا چکے اور بیگم صاحب اپنے وسواس
کا نتیجہ دیکھ چکیں تو بی راحت زمانی کے ابا جان نے کہا کہ کل مولانا اسمٰعیل
صاحب کی ضیافت ہے کئی طرح کا کھانا۔ مختلف قسم کی روٹیاں پراٹھے وغیرہ تیار
کروانا۔ بی راحت زمانی تم بھی کمرے کا بیرونی درجہ خوب آراستہ کر لو وہیں
بٹھائے جائنگے بیچ میں پردہ ڈال دینا یا قنات کھڑی کرا دینا اور سامنے ایک گاؤ تکیہ
لگا کر مسند بچھا دینا۔ تم تمہاری سہیلیاں امۃ اللہ تو اندر بیٹھ جائیں یہ چھوکریاں

ہاتھ دانت دُھلانے کھانا کھلانے اور پانی پلانے کو باہر رہیں۔ میں بھی اُنکے ساتھ ہی کھاؤں گا۔ مگر خدا کے لیے میرا پرہیزی کھانا بدستور پکے ایسا نہ ہو کہ دعوت کے خیال میں بالکل ذہن سے اُتر جائے اور مجھے بھی یہی مرغن ثقیل کھانا زہر مار کرنا پڑے۔ وہ تو مولوی ہیں علم کے زور سے ہضم کر لیں گے لیکن میرا تو قل ہی ہو جائیگا۔ کیونکہ مونھ میں دانت نہ پیٹ میں آنت کس برتے پر کھاؤں اور کس طرح پچاؤں۔ بیگم صاحب نے کہا آپ خاطر جمع رکھیں آپ کے واسطے میں حسب معمول پکوادوں گی شام کو مولوی صاحب کی خدمت میں ضیافت کا پیغام گیا۔ راتوں رات کھانا پک کر طیار ہوا۔ شیرمالیں۔ باقرخانیاں تنور سے پک کر آگئیں صبح کی نماز پڑھکر مولوی صاحب بھی تشریف لائے السّلام علیکم و رحمۃ اللہ کہکر بیٹھے۔ خیریت پوچھی۔ خواب کو اول سے آخر تک سُنا بڑی دیر تک سر دُھنا کیے۔ پھر کہا بیٹی بڑا مبارک خواب ہی خدا تعالےٰ نے تم کو وہ ہدایت فرمائی ہی جو اپنے پیارے اور نیک بندوں کو فرماتا ہی

خواب کی تعبیر

سُنو یہ جو تم نے میدان دیکھا یہ میدان دنیا ہی اور وہ غُل شور مچانے والے ہم ناشکرے اور غفلت کے مارے بندے ہیں۔ یہ فرشتے کی شکل کا تیز رفتار جانور ہمارا قیمتی وقت ہی جو سرپٹ دوڑا اور پروں سے اُڑا چلا جاتا ہی جہاں سے نکل جاتا ہی پھر نہیں آتا۔ جن غفلت کے متوالوں نے وقت کے نکل جانے پر اُس کے پکڑنے اور قابو میں لانے کی کوشش کی ہی وہ ہمسارے کے پیچھے والے آدمی ہیں جنھیں اتنی بھی خبر نہیں۔ دوبارہ

"آگے کے دن پاچھے گئے ہر سے کیو نہ ہیت :: اب پچھتائے کیا ہوت ہی جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت۔

ہر چند اس قدر دوڑے اور اُس کے پکڑنے میں اتنی سعی کی کہ ہات ڈالتے ڈالتے بیچارے کی گُدّی کے بال تک اُڑا دیے مگر اُس کو رُکنا تھا نہ رُکا۔ وہی اپنی معمولی ڈگر سے اُڑا چلا گیا۔ ذرا سی ریل تو چل نکلنے پر تھمنی دشوار ہوتی ہی وہ کیونکر تھم سکتا ہی ہاں جو اُس کے آنے سے پہلے سنبھل بیٹھے تھے۔ انھیں لوگوں نے اُسکی چوٹی پکڑ لی اور کامیاب ہوئے یہ لوگ جو آگے آگے بال پکڑے ہوئے بشاش چہروں سے جھُول رہے ہیں۔ یہ وہی خوش نصیب خدا کے پیارے بندے ہیں جو کبھی اپنے وقت کو ضائع نہیں کرتے اُس کے آنے سے پہلے اُس وقت کا کام کرنے کو طیار ہو بیٹھتے ہیں کسی حکیم کا قول ہی کہ آج کا کام کل پر نہ چھوڑو کیونکہ کل کا کام کل کے ساتھ آئے گا اُسوقت یہ دونوں کام کیونکر کر سکو گے۔ اگر اسکو کیا وہ رہ گیا اُس کو کیا یہ رہ گیا۔ پس ہر روز کا کام اُسی روز کر لینا واجب ہی اور یہ جو ننھے ننھے بچّے پکار رہے تھے کہ اے ہمیں گھٹنیوں چلانے والے اور ماں باپ کی گودیوں میں پلوانے والے تو کہاں چلا؟ یہ اپنے بچپن کے زمانے کو یاد کر کے رو رہے تھے کہ ہائے اب وہ بے فکری کا زمانہ جسے لوگ بادشاہی وقت کہتے ہیں کیوں نہیں آتا۔ کہ اُس میں نہ روٹی کا غم تھا نہ کمانے دھمانے کا فکر۔ خاوند کا خوف نہ بچوں کا سانسا۔ جب بھوک لگی رو دیے پیٹ بھرا ہنس پڑے۔ اگر ہم ذرا بھی دوڑتے تو ہماری ماں کو یہ خیال ہوتا کہ کہیں بچہ گر نہ پڑے اسکے چوٹ پھیٹ نہ آجاے مگر ہمیں اس کی کچھ پروا نہ تھی۔ آگ پر ہم ہات ڈال دیتے سانپ کو ہم پکڑتے اور اُس سے کھیلنے کھڑے ہو جاتے اوپر خدا نیچے ماں باپ ہمارے محافظ

تھے گویا ہمارے حصّے کا فکر بھی ہمارے باپ ماں ہی کو ملا ہوا تھا حاکم کے روبرو ہم بے قصور ٹھہرتے تھے خدا کے نزدیک ہم معصوم خیال کیے جاتے تھے۔ ظالم بھی دیکھتا تو ہم سے ہنس کر بولتا۔ غرض ہر شخص ہمیں گودی میں اُٹھا لیتا۔ اگر ہم اُس کے کپڑے ناپاک کر دیتے تو جب بھی اُس کی تیوری پر بل نہ آتا۔ حاکم سے ہم نہیں ڈرتے تھے۔ نماز روزے کا ہمیں کام نہ تھا یہاں تک کہ ہمارے ننگے دھڑنگے پھرنے میں بھی واہ واہ تھی اور کپڑے پہنے پھرنے میں بھی اہو ہو۔ نہ تو ہم سے کوئی پردہ کرتا تھا اور نہ ہم ہی کسی سے شرماتے تھے۔ اب وہی ہم ہیں کہ طرح طرح کے صدمے اُٹھا رہے ہیں۔ حاکم کا ہمیں خوف ہو خدا کے گھر کا ہمیں ڈر۔ کاش ہم اُسی عمر کے رہتے تو کیا اچھا ہوتا۔ اور یہ جو بڑے بڑے لڑکے چیخ رہے تھے کہ "ہے ہمارے کھیل کود ہم تجھے کہاں پائینگے" اُن کی بھی یہی غرض تھی کہ اے ہمارے کھیل کود کے زمانے تو اب جا کر پھر نہیں آنے کا ہم جو سارا دن ساری رات کودتے پھاندتے اور بے فکری سے ماں باپ کی روٹیاں توڑتے ہیں یہ پھر کہاں میسّر ہونگی یہ آٹھوں پہر کا ہنسنا۔ ہر وقت کھل کھلانا کسی سے دھول کسی سے دھپا موئے کا غم نہ جیتے کی خوشی رونے کے موقعے پر ہنسنا ہنسنے کے موقعے پر رونا۔ ہر کام کی اُمنگ ہر بات کا چاؤ پھر کہاں ہات لگے گا۔ ذرا جوان ہوئے ڈاڑھی مونچھیں نکلیں ہوش سنبھالا اور دنیا کے دھندوں میں پھنسے۔ اسی طرح جہاں لڑکیاں جوان ہوئیں اور انھیں ایسے گھر سے نباہ پڑا کہ جسے کبھی دیکھا نہ سُنا تھا جس کو دیکھو اجنبی جس سے بولو غیر نہ دل کی سُننے والا نہ دل کی سہی کہنے والا۔ ہاں عیب نکالنے طعنے مہنے سنانے والے سو گھر داری کا غم۔ خاوند کی مزاج داری کا فکر الیا

چھایا کہ ساری گڑیاں اور خوشی کی گھڑیاں بھول گئیں۔ بس میں خدا تعالیٰ نے کوئی بال بچہ دے دیا تو اُس نے فرصت نہ لینے دی۔ ایک روتا ہی دوسرا بلکتا ہی تیسرے کو کھانسی ہی چوتھا دودھ ڈال رہا ہی۔ کیسا سینا کیسا پرونا کہاں کی آنکھ مچولی کہاں کی سہیلیاں سب کی سب رکھی رہیں۔ اور یہ جو جوان چلّا رہے تھے کہ اے ہمارے گھمنڈ اور زور تو کہاں بھاگا جاتا ہی یہ بھی جوانی کے زمانے سے مراد تھی۔ جوانی کا عالم بھی عجب عالم ہی اس میں پانی دودھ ہو کر لگتا ہی اور سوکھی روٹی گھی کا کام دیتی ہی۔ جوانی کی نیند عجب نیند ہی سر پر کیسے ہی آرے چلیں مگر اسے خبر نہیں ہوتی۔ بس نیند کا متوالا ہر وقت سرشار اور خونخوار بنا رہتا ہی۔ بات بھی کرتا ہی تو اس کڑاکے سے کہ زمین دہل جائے اور قدم بھی رکھتا ہی تو اس دھاکے سے کہ بھونچال بھی چونک پڑے۔ وہ جو کہتے ہیں۔ "جوانی دیوانی" یہ مشہور ہی" اس میں کچھ جھوٹ نہیں۔ ان دنوں میں سارے قویٰ تمام اعضا زور پر ہوتے ہیں رگوں میں خون اس طرح دوڑا دوڑا پھرتا ہی جس طرح بچے کبڈی کھیلتے ہیں۔ دلوں میں طرح بہ طرح کے ولولے اس طرح جوش مارتے ہیں جیسے فوّارہ اُچھلتا ہی۔ غرور کے دریا کا چڑھاؤ ہوتا ہی جو بات آتی ہی رو کی طرح آتی ہی اور جو شوق جاتا ہی گدھے کے سینگوں کی طرح چلا جاتا ہی۔ نزلے کا دم بند۔ زکام کا دم خشک بلغم کا موقوف رہتا ہی۔ ہاضمے کی شکایت نہ چوٹ پھیٹ کی رعایت۔ کسی سے لات کسی سے مُکا۔ اندھیرے کا خوف نہ اُجالے کی خوشی شیر کی دہشت نہ تنہائی کی وحشت بات بات پر آستینیں چڑھانے کو موجود دھمکانے کو حاضر۔ پھولے پھولے گال بھرا بھرا بدن کام سے تھکنا نہ کسی سے جھجکنا یہ سارا اسی کا طفیل ہی اگر لڑکی ہی تو سارے کنبے

کاسی پرو کر رکھ دے ذرا نہ تھکے روٹی پکانے بیٹھے تو سیروں آٹا پکا کر پھینک دے
اپنا بھی کام کرے اور ماں کا بھی ہاتھ بٹائے بھائیوں کو رکھے بہنوں کو کھلائے۔
کبھی تھکے نہ گھبرائے بس بیٹی وہ ان باتوں کو یاد کرکے چلا رہے تھے۔ جس طرح تم اب
پھر نو برس کی نہیں ہو سکتیں اسی طرح ان کو جوانی اب ہاتھ نہیں لگ سکتی یہی وقت
کا حال ہے جو دن کل تھا وہ آج نہیں اور جو آج ہے وہ کل نہ ہوگا۔

اور یہ جو ادھیڑ عمر والے کہہ رہے تھے کہ ہمیں بھی نہ دیکھ سکا ان کی یہ غرض
تھی کہ بچپن کا زمانہ جسے بادشاہی وقت کہتے ہیں وہ ہمارا جاتا رہا۔ لڑکپن ہمارا گزر گیا
جوانی کی لن ترانی ہماری مٹ گئی اب ہم اُدھر میں پڑے تھے اور یہ خیال کرتے تھے
کہ چلو آدھا سر سفید ہوگیا دانت ہلنے لگے۔ کمر میں درد دل سرد رہنے لگا تو بلا سے
آدمیت سے تو خارج نہیں ہوئے کوئی ہمیں سترا بہترا یا بوڑھا بوبک تو نہیں کہتا
اُٹھنے بیٹھنے کھانے پینے سے تو محتاج نہیں ہوئے۔ چل پھر کر دو چار پیسے بھی کما لاتے
ہیں صلاح و مشورہ دینے کو بھی تگڑے ہو جاتے ہیں۔ جوانوں کو دھمکا بھی لیتے
ہیں کہ تم نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے۔ ہماری سی مصیبتیں اُٹھاؤ گے اور زمانے کا گرم و
سرد دیکھو گے تو جانو گے۔ جب ہم اتنے بھی نہ رہے تو کس کام کے۔ غرض ان لوگوں
کو یہ افسوس تھا کہ جب ہمارا یہ وقت بھی چلا تو اب ہم کیا کریں ہم تو کہیں کے بھی
نہ رہے کل کو بڑھاپا آگیا تو اور بھی مٹی خوار ہوئی۔ اور یہ جو بوڑھے رو رہے تھے
کہ اب کیا تو قبر میں ملیگا اتنا کہہ ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگے آنسو پونچھتے پونچھتے
رومال تر ہوگیا ہچکیاں بندھ گئیں کچھ پچھلا زمانہ یاد آگیا کچھ خوف خدا چھا گیا اور سننے
والوں پر بھی یہ اثر ہوا کہ گویا سارا گھر ماتم خانہ بن گیا حالانکہ ابھی تک جو باتیں سمجھانے

کی ہیں اُن میں سے ایک بھی بیان نہیں کی تھی جب بہت دیر تک رُو رُلا چکے تو کہا!
بیٹی اُن کا یہ مدعا تھا کہ ہم اپنی عمر کے سارے درجے اور مرحلے طے کر چکے یعنی
ہم نے اب تک کا سارا زمانہ تیری نذر کر دیا بچپن ہم نے گنوایا جوانی ہم نے کھوئی
ادھیڑپن ہمارا نہ رہا دانت ہمارے گر پڑے بال ہمارے گالا ہو گئے۔ چہرے پر
جھرّیاں ہمارے پڑ گئیں، ہڈی سے چمڑا ہمارا الگ گیا۔ گوشت ہمارا گھُل گیا۔ گردن
ہماری ہلنے لگی۔ کانوں نے ہمارے جواب دیدیا۔ آنکھوں سے ہم بیٹھ رہے ہات
ہمارے کانپنے لگے پیٹھ ہماری کبڑی ہو گئی۔ لکڑی کا سہارا ہم تکنے لگے۔ آدمیوں
میں ہم نہ رہے ستّرے بہتّرے ہم کہلائے بوڑھا بوبک ہمارا نام ہوا لڑکے ہماری
نقلیں بنا لیتے ہیں جوان ہمارے اُوپر ہنستے ہیں۔ کھانا ہمیں ہضم نہیں ہوتا کمانے
کے ہم نہیں عبادت کے ہم نہیں ہات اُٹھائی روٹی کھاتے اور اُس کا شکر بجا لاتے
ہیں۔ باوجودیکہ یہ ساری ذلتیں ہم نے انگیز رکھی ہیں مگر پھر بھی ہم نہیں چاہتے کہ
اس دنیا سے جائیں وہ زمانہ جو گزر چکا اب نہیں آسکتا تو نہ آئے لیکن یہ تو رہ جائے
دنیا کی ہوا ہمیں ایسی راس آئی ہے کہ اُسے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ بقول شخصے
؎ اب جنت تو بہت ہو گا یہ پانی پھر کہاں + جوں جوں دن گزرتے ہیں موت کی
تلخی۔ قبر کا عذاب۔ گناہوں کی باز پرس سامنے دکھائی دیتی ہے۔ افسوس نہ تو یاد الٰہی
کر سکے۔ اور نہ جس کام کے واسطے پیدا ہوئے تھے وقت کی قدر جان کر اُسی کو انجام
پر پہنچا یا ؎

تمت چند اپنے ذمّے دھر چلے
کس لیے آئے تھے کیا ہم کر چلے

کوئی دم کو یہ وقت بھی گزرا جاتا ہی۔ جب اس حالت میں بھی وقت نے ہمارا ساتھ نہ دیا تو اب کیا قبر میں کام آئے گا کسی نے سچ کہا ہی ۔ دانت ٹوٹے کھر گھسے اور پیٹھ نہ بوجھا لے + ایسے بوڑھے بیل کو کون باندھ بھس دے + کسی حکیم کا قول ہی کہ ہر طرح سے چھجنے والی جنس آدمی کی عمر ہے سو بہت ہی ٹھیک ہے۔

جب مولانا صاحب خواب کی تعبیر دے چکے تو اُنھوں نے چاہا کہ وقت کے بیان پر کوئی مضمون سُنائیں چونکہ اس میں دوپہر آگئی تھی اس سبب سے نواب صاحب نے فرمایا کہ حضرت پہلے آپ کھانا نوش فرمالیں کہ ٹھنڈا ہوا جاتا ہی اس کے بعد تھوڑی دیر آرام فرما کر ظہر کی نماز پڑھ پھر بیٹھ جائیگا اول طعام بعدہ کلام۔ مولوی صاحب نے کہا کہ صاحب یہ مضمون ایسا چھوٹا سا نہیں ہی کہ آج ہی تمام ہوجائے سُننے والوں کی طبیعت بھی اُکتا جائیگی اور میں بھی ضعیف آدمی تھک جاؤں گا اب کل پر موقوف رکھیے اگر کل بھی رہ گیا تو انشاءاللہ تعالیٰ پرسوں ختم ہو جائے گا یہ کہہ کر ہاتھ دھو کھانے پر بیٹھے۔ جونہیں بسم اللہ کر کے پلاؤ کا نوالا اُٹھایا ایک آہِ سرد بھر کر کہا کہ ہائے رے وقت تو نے کسی کے ساتھ بھی وفا کی ہی؟ یہ وہی چاول ہیں کہ ایک روز زمین سے پھوٹے ہوں گے پہلے بسنتی پھر دھانی پوشاک پہنی ہوگی، کوئی دن کھیتوں کی ہوا کھائی ہوگی خوب لہرائے ہوں گے۔ کسانوں سے خدمت رکھوالوں سے چوکی داری کروائی ہوگی پھر ایک زمانہ ایسا آیا ہوگا کہ وہ پیڑ سوکھ کر بدنما ہوگئے ہوں گے کسانوں نے کاٹ کروائیں چلائی ہوں گی۔ بیلوں نے روندا ہوگا سارے کپڑے لتے اُتر کر ننگ منگ ہوگئے ہونگے۔ بازاروں میں یوسف کی طرح بکے ہونگے یا آج دانتوں کی چکی میں پس رہی ہیں ہم تو جانتے ہیں کہ یہ کچھ کچھ

ہمارے چبانے کی آواز ہی مگر درحقیقت وہ نصیحت کرتے ہیں کہ اے غافلو! جسطرح ہمیں اِس زمانے نے پیسا ہی اسی طرح تمھیں بھی پیسے گا ہم بے جان و بے روح ہوکر اس سے غافل نہیں ہیں تم صاحب عقل اور ذی روح ہوکر بھلا دیتے ہو یہ ساری نعمتیں جو خدا تعالے نے تمھیں بخشی ہیں ان سے یہی غرض ہی کہ جس طرح ان کے کھانے سے تم مختلف ذائقے اُٹھاتے ہو اسی طرح تم میں بھی مختلف مادّے عطا ہوئے ہیں یعنی کسی کو علم حکمت حاصل کرنے کا مادہ مرحمت ہوا ہی کہ وہ معرفت اشیا سے معرفت الٰہی حاصل کرے اُن کی خاصیت اور تاثیر سے خلق اللہ کو فائدہ پہنچائے اپنے بھلے پر اوروں کا بھلا مقدم رکھے۔ کسی کو علم ہیئت و نجوم کا مادہ دیا ہی کہ وہ ستاروں کی ترقی اور تنزل سے اپنی ترقی اور تنزل کا سبق لے۔ چاند کی روشنی کو دیکھے چاندنی کے ظاہری لطف کو چھوڑ کر اُس کے فائدوں پر نظر ڈالے کہ یہ صرف اندھیری رات کا چراغ ہی ہی یا اس سے کچھ اور بھی فائدہ متصور ہے۔ کچّے اناج میں دودھ یہی ڈالتا ہی یا کوئی اور وسیلہ بھی ہی۔ سمندر میں جوار بھاٹا جسے جزر و مد یعنی پانی کا اُتار چڑھاؤ کہتے ہیں وہ اسی کی کشش کا نتیجہ ہے یا کوئی اور بات ہی۔ اسی طرح سورج صرف رات کا دن ہی بنانا جانتا ہی۔ یا اس کا کچھ اور بھی کام ہی مینہ کا مادہ یعنی بادلوں کا پیدا کرنا اسی پر منحصر ہی یا کسی اور پر۔ اناج کی بالوں کو یہی پکا کر تیار کرتا اور رنگ برنگ کے پھول کھلاتا ہی یا وہ کوئی اور ستارہ ہی اسے زمین سے کیا تعلق ہی اور یہ زمین سے کتنی دُور ہی۔ اسی طرح کسی میں علم ریاضی کا مادہ ہی کہ وہ اس کے وسیلے سے ہر چیز کی مقدار دنیا کا حساب کتاب جان سکتا ہی۔ کسی کو علم موسیقی کا مادہ عنایت ہوا ہی کہ وہ اپنے میٹھے میٹھے سروں سے آپ بھی مزا لیتا ہی اور دوسروں کی روح کو بھی تازگی

نجتاہی کبھی برسات کا سماں باندھ کر ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ننھی ننھی بوندیوں کا لطف دکھاتا ہی کبھی دوپہر کا راگ گا کر سنسان جنگل اور گرمی کی تو ڑ کی تصویر کھڑی کر دیتا ہی کبھی صبح کا راگ گا کر مالک کی دُھن بندھواتا ہی اور خواب غفلت سے جگاتا ہی۔ شعر میں ایسا کہنا کوئی بیہودی غلط مقولہ نہیں ہی کسی کی طبیعت عروض پر مائل ہی۔ خدا تعالےٰ نے اس کی طبیعت میں وہ موزونیت عطا کی ہی کہ عمدہ عمدہ اور نازک مضامین کو اس سہولت سے موزوں کرتا ہی کہ کوئی کیا کرے گا سُننے والوں کی طبیعت پھڑک جاتی ہی۔ چار شعر میں ہنسایا تو چار میں رُلانے کی بہار بھی دکھا دی۔ کسی میں منطقی مادہ عطا ہوا ہی اس کے نزدیک آسمان و زمین کے قلابے ملانے سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا کرنا کچھ بات ہی نہیں ایک قضیہ بنایا دوسرا توڑا۔ ایک نتیجہ نکالا دوسرا چھوڑا۔ کسی کی طبیعت کو تاریخ ہی سے لگاؤ ہی وہ اگلے زمانے کے حالات کو موجودہ زمانے کے حالات سے ملاتا اور عمدہ عمدہ نتائج و واقفیت حاصل کرتا ہی۔ کوئی فلاحت ہی پر مائل ہی اُسے رات دن یہی دھن رہتی ہی کہ اس موسم میں یہ چیز بوؤ اس میں وہ بوؤ اس چیز کی زمین میں اتنا گہرا ہل چلاؤ اُس کے کھیت میں اتنا کھات ڈالو اس ترکیب سے اتنی پیداوار ہوگی اس ڈھنگ سے یوں پھلت ہوگی۔

غرض اس تقریر سے ثابت ہی کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک انسان میں جُدا جُدا مادہ پیدا کیا ہی۔ گویا ہمارے خالق کو ہم سے وہی کام لینا منظور ہے اب اگر ہم اُس کام کو نہ کریں تو کتنی بڑی ناشکری اور نافرمانی ہی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جس مکتب میں بہت سے علم پڑھائے جاتے ہیں وہاں کے لڑکے اُن سب علموں میں یکساں لیاقت حاصل نہیں کرتے کوئی کسی علم میں شہرۂ آفاق ہوتا ہی کوئی کسی میں طاق اس کی وجہ یہی ہی کہ

اُس کی طبیعت کو اُسی علم سے لگاؤ ہوتا ہی جس کا مادّہ خدا تعالےٰ نے اُس میں پہلے سے موجود کر دیا تھا۔ جو شخص ایک فن میں کامل ہو ممکن نہیں کہ دوسرے علم میں بھی ویسا ہی ہو البتہ اُس کی فروعات میں ویسا ہی ہو سکتا ہی جیسا اس میں تھا باقی چیزوں میں بقدر ضرورت بے شک مہارت ہو سکتی ہی۔ ہر شخص حکومت کرنے اور قانون بنانے کے قابل نہیں ہوتا یہ کام اُسی سے خوب ہو سکتا ہی جس کے دماغ میں قوت انتظام کوٹ کوٹ کر بھری ہی۔ بہتیرے شہ زور ایسے دل کے بودے اور دُکھ کے کچّے ہوتے ہوتے ہیں کہ انھیں سوئی کا زخم تلوار کے زخم سے زیادہ معلوم ہوتا ہی۔ بہتیرے کمزور ایسے جری اور بہادر نکلتے ہیں کہ اُن کے نزدیک ہات پاؤں کا اُڑ جانا اور سوئی کا چُبھنا برابر ہی۔ حکیم بزرجمہر کا قول ہی کہ شجاعت دل کی قوت کا نام ہی تن و توش اور فربھی کا نام شجاعت نہیں ہی۔ کیونکہ جنگ کے وقت اگر دل کا حوصلہ قائم نہ رہا تو مٹاپا کیا کام دیگا (مصنف کا ایک انگریز دوست ایک ڈاکٹر کی زبانی جو ۱۸۷۶ء کی روم و روس کی لڑائی میں زخمی ترکوں کا علاج کرنے گیا تھا بیان کرتا ہی کہ میرے پاس ایک ایسا زخمی ترک آیا کہ جس کے جسم میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں گولی یا تلوار کا زخم نہ ہو۔ پہلے تو اُس نے اپنا ایک ہات میرے سامنے کیا کہ اس میں جہاں جہاں گولیاں کھٹکتی ہیں نکال لو میں نے جا بجا چیرا لگا کر گولیاں نکالیں مگر اُس ترک نے سی تک نہ کی بلکہ اُس وقت دوسرا ہات آگے کر دیا کہ اس کی گولیاں بھی لگتے ہات نکال دو جب میں وہ بھی نکال چکا تو ہنس کر پاؤں آگے بڑھا دیا اور کہا کہ ڈاکٹر صاحب ابھی آپ گھبرائیں نہیں آپ کے لیے بہت سا کام باقی ہی آپ ان گولیوں کو جمع کرتے جائیں وہ کہتا ہی کہ میں نے بہت سی گولیاں اُس کے جسم میں سے نکالیں جا بجا ٹانکے لگائے مگر واہ رے

ترک اف بھی لوں نہ سو خدا نے ہر ایک قسم کے بندے پیدا کیے ہیں۔ ہم جو بے سوچے کہہ دیتے ہیں کہ یہ کام ہماری تقدیر میں نہیں یہ ہماری بڑی غلطی ہی۔ بلکہ خدائے جل جلالہ کی عین ناشکری۔ ہاں ہم کوئی کام کریں اور جہاں تک انسانی کوشش ممکن ہی وہاں تک اس میں بخوبی سعی کریں۔ اور پھر بھی وہ کام ہم سے نہ ہو تو اُس وقت جاننا چاہیئے کہ یہ کام حدِ بشری سے باہر۔ یا ہماری تقدیر میں نہیں ہے۔ ہم لوگوں نے بے چاری تقدیر کو اپنے آرام طلب دل کا پالا بنا رکھا ہی جس کام میں محنت نہ ہو سکی کہدیا کہ ہماری تقدیر میں نہیں۔ چلو سہل چھوٹے۔ ارے کم بختو! یہ تو سوچو خدائے تعالیٰ کا کوئی کام بھی حکمت سے خالی ہی۔ تمہاری تقدیر میں دونوں وقت کھانا کھانا لکھا ہی۔ مگر بتاؤ تو یہ بھی ممکن ہی کہ تم ہات سے اُٹھا کر نوالہ نہ کھاؤ اور خودبخود تمہارے مُونھ میں چلا جاے۔ تمہاری قسمت میں خلعت لکھا ہی۔ مگر یہ بھی ممکن ہی کہ تم کوئی کام نہ کرو۔ حاکم تک نہ جاؤ اور وہ آپ سے آپ تمہارے پاس چلا آئے۔ تقدیری امر وہی ہی کہ تم اُس کے حاصل کرنے میں کوشش کرو اور وہ حاصل ہو جائے۔ اگر ہم سے پوچھو تو تقدیر اُس مادّہ ہی کا نام ہی جسے دستِ قدرت نے اول ہی اندازہ کر کے ہر ایک چیز میں موجود کر دیا ہی۔ اور بے شک یہی ایک ایسی چیز ہی کہ اس کا بدلنا اور متغیر ہونا خلاف قیاس کیا بالکل ناممکن ہے (اس بحث کو مفصل ہماری کنزالفوائد یعنی تقدیر اور تدبیر کے مناظرے میں دیکھو اور مجملاً اُس کے خاتمے کا اس جگہہ ملاحظہ کرو)

ہم لوگ آج کل تقدیر کے معنی سمجھنے میں بڑی غلطی کرتے ہیں۔ ہمارے ذہنوں میں یہ بات سمائی ہوئی ہی کہ قسمت یا نصیب ہر ایک انسان کے وہ مکنون اعمال یا صدور ناکردہ افعال ہیں جو وقتاً فوقتاً ہر طرح خواہ انکا ارادہ کرے یا نکرے ضرور ظاہر ہو کر رہتے ہیں

مثلاً کسی شخص کی سر نوشت میں بادشاہ ہونا لکھا ہی تو اُس کے پاس لاؤ لشکر دھن دولت ہو یا نہو مگر وہ بادشاہ ہو کر رہیگا۔ ہمارے مقدر میں آج ہزار کوس پر جا کر مرنا ہو گو وہاں تک پہنچنا کسی طرح ممکن نہیں مگر ہماری تقدیر اور کچھ نہیں تو برقی قوت ہی بن کر اُڑا لے گی اور وقت معینہ پر پہنچا کر وہیں ہماری جان لے گی۔ کوئی ہمیں سات قفلوں میں بند کر دے گا جب بھی ہمارا رزق پہنچکر رہے گا۔ ہم پڑھیں یا نہ پڑھیں ہمارے کرموں میں فاضل ہونا ہی تو بن پڑھے ہی فاضل ہو جائیں گے۔ حالانکہ ہمارے یہ خیال سراسر غلط بے اصل اور بے بنیاد ہیں ان معنوں میں جو تقدیر کا لفظ مستعمل ہو گیا ہی یہ ہمارے دل ناشکیبا کا ایک وہمی صنم غلط دوست اور کاہل طبیعتوں کا دوست نما دشمن ہی۔ یہ وہی کم بخت نصیب ہی جو ہم کو ہمارے افعال پر نادم اور تلافی مافات پر مائل ہونے نہیں دیتا۔ یہ اسی کا تصدق ہی کہ ہم کسی امر میں کوشش نہیں کرتے اور روز بروز کاہل سست اور کم ہمت ہوتے چلے جاتے ہیں۔ شاید اسی کے زمانے سے پیشتر جنگ جو بادشاہوں کو یہ بات سوجھی ہو کہ فوج کے لڑوانے کیواسطے ایک ایسی حکمت عملی بھی ضرور ہی جس سے جان ہار سپاہی اپنی جان دینے میں دریغ نہ کریں اور اس خیال سے کہ اگر عمر کی پوری ہی تو میدان جنگ یا تنور حرب سے بھی تلواروں کی چھاؤں میں سے اپنی جان لیکر ٹھنڈے ٹھنڈے چلے آئینگے اور جو قضا کا سامنا ہی تو بن لڑے گھر بیٹھے بھی کھیت رہیں گے اس سے بہتر ہے کہ اپنے آقا کی خوشی کریں اور بیچ میدان میں لڑ کر مریں تاکہ مُردوں میں نام لکھا جائے ہم نہیں تو ہماری اولاد ہی چین اُڑائے اور جو بچ گئے تو بہادری کا انعام نمک حلالی کا خطاب اور مال غنیمت نفع میں رہا بقول ذوق۔

کہا پتنگ نے پروانہ شمع پر چڑھ کر
بڑا مزا ہے کہ مر یئے کسی کے سر چڑھ کر

بہر حال ہم لوگوں نے نصیب کو برائی بھلائی کا پالا سمجھ کر اسی پر سارا بوجھ ڈال رکھا ہی اور آپ چاند سا موںھ لیے بے غیرت بنے پھرتے ہیں۔ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اگر واقعی تقدیر کے یہی معنی ہوتے تو کوئی شخص کبھی گنہگار نہ ہوتا نہ کسی مذہب کا شارع یا حاکم ارتکاب جرم پر کوئی حد لگاتا پس اس سے معلوم ہوا کہ ہم لوگوں نے تقدیر کے معنی اُس کے برخلاف لگا رکھے ہیں۔ درحقیقت تقدیر وہ اندازۂ قدرت یا مادۂ فطرت ہی جسے خدائے تعالے نے ہر ایک چیز میں اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا ہی ہر چیز جب تک اپنی اصلی حالت پر رہتی ہے کبھی اپنی مادی خاصیت اور اثر کو نہیں چھوڑتی۔ تقدیر کے یہ معنی نہیں ہیں کہ گیہوں سے چنا اور چنے سے جو پیدا ہو جاے ہاں اگر تم گیہوں قاعدے کے موافق زمین میں بوؤگے اور پانی وغیرہ سے اُس کی خبر لیتے رہوگے تو تقدیری میعاد پر ضرور جھولیاں بھر بھر کر اُٹھاؤگے چاہو کہ بوتل میں بھر کر رکھ دو اور وہیں درخت پیدا ہو کر گیہوں کے بہت سے بال نکل آئیں یا بچے ہو جائیں۔ سو یہ معلوم۔ تم جن وسائل سے گیہوں میں اُگنے کی صلاحیت بہم پہنچاتے ہو تو تمھیں اسباب کا نام تدبیر ہی اور جس مادے کے باعث وہ بڑھتا اور پروان چڑھتا ہی اس کا نام تقدیر ہی۔ اب اسی طرح اور باتوں کو دیکھو از روئے تقدیر بادشاہ ہو جانے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ گھر میں بیٹھے بیٹھے ایک دفعہ ہی اہالی موالی آموجود ہوئے۔ اور سر پر تاج رکھ کر کہہ دیا کہ ملک حاضر ہی ہم تو حضور ہی کی تلاش میں تھے۔ البتہ سوانگ میں تو یہ بات ممکن ہی مگر تقدیر ایسی اندھی نہیں ہی جو ہم کو بے کوشش اور بلا وسائل بادشاہ

بنا دے۔ قدرت نے ہم کو وہ مادہ ضرور عطا کیا ہی کہ اگر ہم اُسے کام میں لائیں تو تجربہ کرتے کرتے شاہانہ انتظام وعادلانہ انصاف کرنے لگیں کیونکہ بادشاہ بھی تو آخر انسان ہی ہوتے ہیں مگر ہمارے ماتھے پر کوئی ایسی علامت نہیں ہو جس سے تمام خلائق ہماری طرف رجوع ہو کر ہمیں اپنا بادشاہ مان لے اور ہمارے ماتھے کی ایک ایک لکیر درفش کاویانی بن جائے ہمارا معتقد کبھی ایسی غلط کاری نہیں کر سکتا کہ ہمیں آدمی کی صورت میں رکھ کر ہزار کوس پر تصور یا برق کی طرح پہنچا کر مارے۔ ہاں ہماری روح جو ایک لطیف حرارت ہو جس وقت جسم سے جُدا ہو گی اُسے کوئی روکنے والا نہیں ہے جہاں تک ممکن ہو گا چڑھتی اور اُڑتی چلی جائے گی۔ رزق بے شک ہماری زندگی کا مدار اور ہماری تقدیری خوراک ہی مگر تاوقتیکہ ہم اپنے مونھ میں ڈال کر حلق سے نہ اُتار جائیں کبھی ہمارے پیٹ میں پہنچکر جسمانی قوت نہیں بخش سکتا۔ تم سات قفلوں میں بند ہونے پر بھی اُس کا پہنچنا ممکن سمجھتے ہو میں صرف ایک مونھ سی دینے پر بھی اس کا شکم میں داخل ہونا محال جانتا ہوں۔ عالم اور فاضل ہونے کا مادہ بے شک انسان میں عطا ہوا ہی۔ وہ بیشک اپنے خیالات تصورات ذہن حافظہ وغیرہ کو فکر کی مشق سے مانجھ سکتا ہی۔ مگر چاہو کہ جس طرح مچھلی کا جایا بن سکھائے تیرنے لگتا ہی یہ بھی ازخود قلم لے کر لکھنے اور کتاب اُٹھا کر پڑھنے اور بے مس ہوئے سمجھنے سمجھانے لگے۔ سو یہ کبھی ہوا ہی نہ ہو گا۔ جسے علم لدُنی کہتے ہیں۔ وہ بھی ایک فطرتی ذہنی صفائی کا نام ہی۔ پس ان دلیلوں کا خلاصہ یہ ہی کہ ماہیت جسے ہم تقدیر سے تعبیر کرتے ہیں ہرگز نہیں بدل سکتی اور صورت یا کیفیت جسے تدبیر یا عوارضات میں شمار کرنا چاہیے منقلب ہو سکتی ہی۔ کسی جرم کے ارتکاب پر جو ہم کو سزا ملتی ہی وہ اس امر کی نہیں ملتی کہ خدائے تعالیٰ

تعالیٰ نے جو تم میں ایک مادی خاصہ پیدا کیا ہی اس کا ظہور کیوں ہونے دیا۔ بلکہ اس امر کی سزا ملتی ہی کہ تم جو اس کے نہ کرنے پر مجاز تھے تو اسے بے محل کیوں صرف میں لائے مثلاً عورت اور مرد میں ایک فطرتی مادہ ہی کہ جس کے وسیلے سے دونوں کا سلسلہ چلتا ہی۔ مگر اس میں سلسلہ چلانے کے واسطے جو خاص ایک منکوحہ کی قید لگی ہوئی ہی اس کے خلاف کرنا قوم کا گناہ ہی اور اس کی سزا ملنی واجب ہی۔ یہ جو کہا کرتے ہیں کہ تقدیری امر ہو کر رہتا ہی اور ہونی بلوان ہی۔ اس سے حقیقت میں بھی یہی مراد ہی کہ فطرتی فعل ہو کر رہتا ہی مگر ارادے کے ہم مختار ہیں۔ مرچ جب کھلیئنگے موہنہ جلائیگی کیونکہ تیزی اور چھانجھ اس کی فطرت میں ہی مگر موہنہ میں ڈالنے نہ ڈالنے کا ہمیں کیونکہ ہم فعل مختار ہیں۔ اسی طرح ہر ایک بات کو خیال کرو اور یہ نکتہ پیش نظر رکھو کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں جو باتیں پیدا کی ہیں اور جس امر کا مادہ بخشا ہی وہ ہر ایک انسان میں ہی۔ ہم خیال نہیں کر سکتے کہ یونان کے رہنے والے ہی عقل وتدبیر میں بڑہ سکتے ہیں یا اہل انگلینڈ ہی کے حصہ میں آئی آگئی ہی۔ نہیں ہم بھی اگر انسانی مادے کو کام میں لائیں تو ایسے ہی بن سکتے ہیں کیونکہ انسان انسان سب ایک ہیں البتہ مختلف الطبائع اور مختلف الرائے ضرور ہیں اگر اختلاف طبع نہوتا تو یہ طرح بہ طرح کی صنعتیں جو تم دیکھ رہے ہو ایک بھی دیکھنے میں نہیں آتی اور ایک سان طبیعتوں کے ہونے سے یہ اتنی ساری کیفیتیں اور صنعتیں ایک وقت یا ایک زمانے میں ہرگز ظہور پذیر نہ ہوتیں۔ سیکڑوں مکنون ومخزون رہ جاتیں اور انسان اپنی عمر پوری کرکے اس حسرت میں چلا جاتا۔ یہ عین حکمت ہی کہ اس نے ہمکو مختلف الطبائع تو بنایا مگر مختلف الفطرت نہ بنایا۔ اے ہماری پیاری بہنو! تم ہرگز

یہ خیال کر کے ہمت نہ ہارو کہ ہماری تقدیر ہی میں علم نہیں ہی جو ہم نہیں سیکھ سکتے
یہ تمھاری کم ہمتی ہی۔ چیونٹے کو دیکھو اُس کے اپنے بوجھ سے کتنا زیادہ بوجھ ہوتا ہی اور
وہ اُسی کو دیوار پر چڑہا لے جاتا ہی اگر سو مرتبہ کوئی دانہ چھوٹ کر اُس کے مونھ سے
نیچے گر جاتا ہی تو سو ہی دفعہ اُترتا ہی اور اُسے لیکر اخیر کو چڑہ جاتا ہی۔ اکثر طلبا، دُو دُو تین
تین مرتبہ فیل ہوتے ہیں مگر انجام کا ہمت نہ ہارنے کے باعث گُلِ مراد لے کر ہی
اُٹھتے ہیں پس تم ان باتوں کو زیر نظر رکھ کر ہر ایک امر میں کوشش کرو ہمت باندھو
اور کامیاب ہو کر خوشی مناؤ۔

بعض آدمی کہہ دیا کرتے ہیں کہ خدا تعالے نے عورتوں میں علم و عقل کا
مادّہ نہیں دیا جو علمی اور عقلی کام مردوں سے ہو سکتا ہی وہ عورتوں سے ممکن نہیں۔ مگر
ہم دیکھتے ہیں کہ انگلستان اور امریکا میں اب بھی ایسی ایسی لائق اور فاضلہ عورتیں موجود
ہیں کہ وہ کسی طرح فضیلت میں مردوں سے کم نہیں۔ صاحب تصانیف وہ ہیں۔ نقاش
وہ ہیں۔ ابھی تھوڑے دن ہوے کہ ہم اخبار النساء کے نمبر ۲ جلد اول میں امریکہ کی اُن
عورتوں کی فہرست چھاپ چکے ہیں جنھوں نے مردوں کے بہت سے کام سنبھال
رکھے ہیں بلکہ اب تازہ اخبارات سے معلوم ہوا کہ وہاں کی تین عورتوں نے اپنی قابلیت
اور لیاقت کی وجہ سے پریزیڈنسی یعنی میعادی بادشاہی کا دعوی کیا ہی۔ افریقہ کی
بعض حبشی ریاستوں میں جیسے اشانٹی یا ڈھومی وغیرہ ہیں اب تک عورتوں کی جنگی
فوج موجود رہی ہی۔ لڑائی پر وہ چڑھتی ہیں۔ چوکی پہرہ وہ دیتی ہیں۔ غرض جن بہادری
اور دلیری کے کاموں پر مردوں کو ناز ہی وہ عورت ذات ہو کر اسے نہایت خوبی سے
انجام دے رہی ہیں۔ ہماری ملکہ معظمہ قیصرہ ہند ہی کو دیکھ لو کس حوصلے اور کس رعب

داب کی ملکہ ہیں کہ آج زمانے میں کوئی ایسا بادشاہ نہیں ہو خدا ان کے دم کو سلامت اور ہمیں ایسی مادر مہربان کے دامن عاطفت میں بامن و راحت اسی چین سے رکھے۔ کہو۔ آمین۔

ہمارے ہندوستان میں بھی کئی لائق اور بہادر عورتیں ہو گزریں۔ اور بعض اب موجود ہیں۔ سلطانہ رضیہؔ بیگم کیسی بہادر اور کس جیھے کی عورت تھی۔ چاند بی بی سلطانہ احمد نگر نے جلال الدین اکبر کو کیسے ناک چنے چبوا دیے تھے۔ نور جہاں بیگم کس لق لقے کی عورت تھی۔ اہلیا بائی مراہٹن نے بیالیس برس تک کس دلیری اور جوانمردی سے حکومت کی۔ اب نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ رئیس بھوپال کس عمدگی اور خوش انتظامی سے حکمرانی کر رہی ہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہی کہ عام عورتوں کے لیے اول خانہ داری کے امور اور پرورش اطفال کا سلیقہ ایک بڑا منصبی فرض ہی کیونکہ نسل کی ترقی قوم کی تقویت علم و اخلاق دین و دنیا کے امور کی بنیاد ماں ہی کی تعلیم پر موقوف ہی جب ابتدائی تعلیم اچھی نہ ہوئی تو آگے کیا اُمید ہو سکتی ہی۔

مولوی صاحب کے اس بیان کو سُنکر نواب صاحب بھی عش عش کرنے لگے اور کہا واقع میں آپ کی رائے بہت ٹھیک ہی۔ اندر بیٹھے بیٹھے راحت زمانی بیگم اور اُن کی والدہ صاحبہ نے بھی نہایت غور سے ان باتوں کو سُنا راحت نے تو جس وقت سے خواب کی تعبیر سُنی اور مولوی صاحب کو روتے دیکھا اُسی وقت سے رونے کا تار باندھ دیا۔ یہاں تک کہ روتے روتے ہچکی بندھ گئی کیسا کھانا کس کا پہننا بچی کو تو سب حرام ہو گیا۔ بار بار اپنی عمر کے چودہ برس گزر جانے پر افسوس کرتی ہات ملتی اور کہتی کہ مجھ نگوڑی کو کب خبر تھی کہ میرا یہ سونا مجھے رانگ کیطرح

غم میں گھلا گھلا کر مارے گا۔ میرا یہ آرام مجھے کانٹوں کی سیج پر سلائے گا۔ ہائے اب میں اس گئے وقت کو کیوں کر پا سکتی ہوں۔ یہ تو وہی کہاوت پیش آئی۔ ؎

سدا دور دوراں دکھاتا نہیں
گیا وقت پھر ہات آتا نہیں

سچ ہی جب تیر کمان سے نکل گیا۔ بندوق چل گئی۔ مرغ گرفتار اڑ گیا کون روک سکتا ہے۔ راحت کی تمام سہیلیوں اور ہمجولیوں کا یہ حال تھا کہ کھڑی پچھاڑیں کھا رہی تھیں۔ آدمی کے مرنے کا کہرام اتنا نہیں ہوتا جس قدر یہاں اتنی عمر کے رائیگاں ہونے کا اور خواب غفلت میں کھونے کا رونا تھا۔ مولوی صاحب تو اپنے گھر سدھارے یہاں لڑکی نے آج ہی سے حکم دیا کہ مجھے کوئی سلانے نہ آئے میںنے آج سے سونا چھوڑا۔ اپنا پلنگ اور اس کا نرم نرم بچھونا چھوڑ کھری چارپائی بچھوالی۔ مگر وہ جو کہتے ہیں کہ نیند سولی پر بھی آتی ہے۔ قہراً و جبراً دس بجے تک تو جاگتی رہیں پھر چارپائی کے پلے سے پیٹھ لگا بیٹھے بیٹھے سو گئیں۔ نوکروں نے گود ہی میں اٹھا کر کسے کسائے پلنگ پر لٹا دیا۔ تھوڑی دیر سوئی ہوں گی کہ دفعتہً آنکھ کھل گئی اپنے تئیں پلنگ پر لیٹا ہوا دیکھ کر اپنا آپا پیٹ لیا کہ یہ کون میرا جانی دشمن تھا جس نے یہاں لا کر سلا دیا۔ ان کی اماں جان پیٹ پکڑے ہوئے دوڑی ہوئی آئیں اور کہا بوا تمھیں خیر ہی جاگنے کی عادت پڑتے ہی پڑے گی۔ اس طرح جاگو گی تو بیمار نہ پڑ جاؤ گی؟ کل مولوی صاحب کا مضمون کیونکر سن سکو گی۔ میں نے مانا کہ تم رات بھر جاگیں اپنی جان ہلکان کی مگر اس رت جگے سے فائدہ؟ مولوی صاحب سے یہ بھی تو دریافت کرو کہ میں اس وقت کیا کروں۔ وہ دانا آدمی ہیں جس طرح بتا دیں اسی طرح کرنا۔

یہ بات لڑکی کی سمجھ میں بھی آگئی کہا اچھا اب تو میں پڑ رہتی ہوں لیکن مجھے گجردم اُٹھا
دینا۔ اس پلنگ کو یہاں سے لیجاؤ میں تو اپنے اُسی کھرّی چارپائی پر سوؤں گی۔ اگر کسی
لے تاروں کی چھاؤں سے نہ اُٹھایا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں۔ راحت زمانی اور بیگم
صاحب کے کہنے سے آج تمام سہیلیاں ہمجولیاں بھی اُنھیں کے پاس رہیں۔ راحت زمانی
کی نوکریں اُن کے گھروں میں جا جا کر کہہ آئیں کہ مولوی صاحب نے آج درس کہا تھا
کل بھی کہیں گے اس سبب سے بیگم صاحب نے اُن کو رکھ لیا تم کچھ فکر نہ کرنا اور ساتھ
ہی یہ بھی کہدیا کہ مولوی تو کوئی جادوگر[1] معلوم ہوتا ہے خدا جانے کیا بر کی ماری[2] کہ لڑکیوں
کو روتے روتے یہ وقت آگیا کسی ڈھب آنسو نہیں تھمتے۔ اُنھوں نے کہا کہو تو سہی کس
بات کا بیان تھا۔ ماما نے کہا یہی نگوڑے وقت کا پٹینا تھا۔ بیوی ہم نے تو آجتک
ایسا درس ہی نہیں سُنا اور نہ ایسا اُلٹے زمانے کا مولوی ہی دیکھا اس کی تو ہر ایک
بات نرالی ہے۔ دنیا جہان سے انوکھی باتیں کرتا ہے وہ کہیں کہہ گیا ہے کہ تمھاری یہ عمر
جو کھیل کود میں گزری اس کے لیے جتنا رؤو اور افسوس کرو تھوڑا ہے آگے کو اپنی عمر
ضائع نہ کرو۔ کوئی مولوی سے پوچھے کہ تو نے اس عمر میں کیا کیا چھوڑ دیا تھا۔ جو ان
معصوموں پرائے گھر کے کیڑوں کو کھیلنے کودنے سے روکتا ہے۔ خدا بھلا کرے بی
راحت زمانی کا کہ اُن کے خواب نے ایک جہان کو سر پر اُٹھا رکھا اور سارے گھر کو
انگلیوں پر نچا رکھا ہے۔ بی مغلانی اُسی کے طفیل قید میں پڑیں۔ غریب کی بیٹی داماد
اور نواسے کو اس خواب نے کھایا۔ بے چارا بیراگی اور اُس کے بالکے اس کی بدولت
عمر قید ہوئے اور ابھی دیکھیے کیا کیا ہوتا ہے۔

[1] جادوگر۔ [2] جادو کی پڑیا۔ جادو کی چٹکی۔

ہر ایک لڑکی کی ماں نے کہلا بھیجا کہ اپنی بیگم صاحب سے کہنا کہ کل مُونھ اندھیرے ہی ہم بھی ڈولی کر کے آئیں گے۔ ہمارا دل بھی مولوی صاحب کا درس (وعظ) سُننے کو لوٹتا ہی۔ انھوں نے کہا خدا کو مان کر ہماری باتیں بیان کر کے لڑائی نہ کروا دینا کبھی اُلٹے اور لینے کے دینے پڑ جائیں۔ وہ بولیں کہیں ایسا ہو سکتا ہی؟ ماما نے کہا اچھی تمھیں ذرا خدا لگتی کہو! یہ عمر تو ایسی ہی ہوتی ہی کہ اس میں کل جہان کے بچے کھیل کود میں رہتے ہیں۔ اللہ رکھے جب بچی ماں باپ ہی گھر میں کھیل کود کر اپنا جی خوش نہ کریگی تو کیا سسرال میں جانے پر سینگ کٹا کر بچھڑوں میں ملیگی وہاں تو جہاں ایک بات کی سو باتیں بنیں۔ کسی نے ہڑدنگی نام رکھ دیا کسی نے کھلنڈری ٹھہرایا۔ کوئی ہوائی دیدہ کہنے لگی۔ بیوی بیٹی کی ذات کو کبھی نہ روکے جہاں تک بنے اچھے سے اچھا کھلائے عمدہ سے عمدہ پہنائے کیونکہ پھر خدا جانے کیسے ظلمی سے پلّے بندھے۔ میں سچ کہتی ہوں بعضے خاوند موئے ایسے جلّاد ہوتے ہیں کہ بیوی کو اُکسنے نہیں دیتے کیا مقدور جو بیچاری کسی سے بات چیت کر کے اپنے مونھ کی پھپوندی چھڑائے۔ موئے گھونٹ گھونٹ کر دق کر دیتے اور اندر ہی اندر جلا کر مار دیتے ہیں۔ سو بی میری تو مرضی نہیں ہی کہ ان بچیوں کو ابھی سے گھیر گھونٹ کر رکھا جائے ابھی ان نجتیوں نے دیکھا ہی کیا ہی

غرض جب راحت زمانی کی اماں نے سُنا کہ دو چار عورتیں اور بھی آنے کو کہتی ہیں تو اُنھوں نے نواب صاحب سے بلا کر کہا کہ کل بی راحت کی سہیلیوں کی مائیں بھی آئیں گی تم باورچی کو بُلا کر چالیس پچاس آدمیوں کا کھانا طیار کروا دینا ان کے ساتھ میں محلے کی عورتوں کی بھی دعوت ہو جائے گی میں سب کو بلاوا بھیجے

دیتی ہوں"۔ نواب صاحب نے فرمایا۔ "اس سے بہتر کیا بات ہو ایک پنتھ دو کاج میں ابھی حسینی باورچی کو کہلا بھیجتا ہوں۔ تم باشوق پلاؤ ادھیر دو" کھانے کا لایچ تو ڑا ہوتا ہی جو نہ آتی تھی وہ بھی آئی یہاں تک کہ سارا مکان مہمانوں سے کھچا کھچ بھر گیا۔ پچاس کی جگہ سو آدمیوں کا کھانا پکا مگر نام کو دانہ نہ بچا۔ ایک دالان میں عورتیں دوسرے میں دس پانچ مرد اور مولوی صاحب بیٹھے وقت کا مضمون شروع ہوا۔

مولوی صاحب نے فرمایا بیٹی راحت زمانی! سنتی ہو! وقت کی صورت تو خدائے تعالے نے تم کو خواب میں دکھا دی اب میں اُس کے معنی اور کچھ حال بیان کرتا ہوں۔ وقت کے معنی ہیں زمانہ یا اُس کا کوئی حصہ۔ جس طرح ساٹھ ساٹھ مرتبہ پلک جھپکانے سے ایک منٹ۔ ساٹھ منٹ کے ہونے سے ایک گھنٹہ چوبیس گھنٹے سے رات دن اور سات شبانہ روز سے ایک ہفتہ چار ہفتے سے ایک مہینا بارہ مہینے سے ایک برس علیٰ ہذالقیاس صدی۔ قرن اور جگ وغیرہ بنتا ہے۔ اسی طرح زمانہ تھوڑا تھوڑا کرکے گھٹتا اور ایک دفعہ ہی انجام کو پہنچ جاتا یعنی اخیر ہو جاتا ہے پورے انحطاط[۱] کا نام قیامت ہے جسے ہندی میں پرلو کہا کرتے ہیں۔ اور اس انحطاط تک پہنچنے میں جو مرحلے[۲] اُسے طے کرنے پڑتے ہیں اُن میں سے کسی مرحلے کا نام بچپن کسی کا نام جوانی کسی کا بڑھاپا کسی کا موت ہے۔ یہ منٹ اور لمحے جمع ہوکر ہر چیز کی عمر پوری کر دیتے ہیں۔ جیسے اس وقت کی ناقدری ہمارے ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے ایسی تو کسی ملک میں بھی نہ ہو گی۔ ہم اس کی اتنی قدر بھی نہیں کرتے جس قدر ایک پھوٹی کوڑی کی عزت کرتے ہیں۔ کوڑی کو گرہ میں باندھ کر رکھتے ہیں مگر

[۱] انحطاط کے معنی کمی اختیار کرنا۔ یا زوال ہونا۔ [۲] مرحلے کے معنی منزل۔ مسافت۔ درجہ۔

وقت کو ہنسی ٹھٹے یعنی ہوا میں اُڑا دیتے ہیں۔ جن لوگوں نے اس کی قیمت کو پہچانا ہی وہی بڑے جوہری ہیں اور اُنھوں ہی نے کچھ پایا ہے اور جس ملک یا قوم نے اس کی قدر نہ جانی وہ آپ بھی تباہ ہوئی اور اپنے ساتھ اوروں کو بھی لے ڈوبی۔

وقت کی قیمت

وقت سے زیادہ کوئی قیمتی چیز نہیں ہی۔ سلطنت ملجاتی ہی جواہرات ملجاتے ہیں مگر وقت نہیں ملتا۔ جس وقت سکندر ذوالقرنین جو ہفت اقلیم کا بادشاہ اور ساری دنیا کا مالک تھا اس جہان سے کوچ کرنے لگا اور اُسے یقین کامل ہو گیا کہ اب میں نہیں بچنے کا تو اُس نے چاہا کہ مجھے اتنی مہلت ملجائے کہ میں دو تین گھنٹے میں اپنی ساری حسرتیں نکال لوں اور جس قدر انتظام وغیرہ کی بابت وصیتیں کرنی ہیں وہ سب کرلوں مگر نہ بچ سکا بلکہ اُس کے پاس جو بڑے بڑے یکتائے زمانہ حکیم موجود تھے وہ بھی وقت کو نہ روک سکے حالانکہ سکندر اس کے عوض اپنی ساری سلطنت اور دولت دینے کو راضی تھا اور پکار پکار کر کہتا تھا کہ اے دانا لوگو اور اے نامی حکیمو! تم میں کوئی بھی اتنا نہیں کہ میری ساری دولت ساری حکومت لیکر مجھے دو گھنٹے تک بچائے ہائے یہ وقت ایسی بیش قیمت چیز ہی کہ کوئی تمام سلطنت بھی لے کر نہیں دے سکتا۔ میں نے تو ایسے دو دو گھنٹے ہنسی مذاق کھیل تماشے میں اس بیقدری سے اُڑا دئے ہیں کہ وقت کی ذرا بھی پروا نہ کی تم بڑے ہی کنجوس ہو جو کہتے ہو کہ ہمارے بس کی بات نہیں افسوس مجھے اس کی قیمت مرتے وقت کھُلی۔ اگر پہلے سے خبر ہوتی تو زر و جواہر سے زیادہ وقت کو عزیز رکھتا یہاں تک کہ تم لوگوں سے بھی بات کرنیں

گھاٹا سمجھتا۔ خیر یہ تو اگلی باتیں ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ جس وقت ہماری ماں ہمارے باپ یا کسی بچے کا دم نکلتا ہی اور ہم چاہتے ہیں کہ کسی طرح اس سے دو باتیں کر لیں یعنی اپنی کہدیں اُس کی سُن لیں تو کتنا ہی خرچ کیوں نہ کریں مگر ہمیں یہ بات نصیب نہیں ہوتی۔ تمھیں دیکھو! خدا رکھے تمھاری عمر چودہ پندرہ برس کی ہو گی اگر تم چاہو کہ میں پھر دس برس کی ہو جاؤں تو ہو سکتی ہو؟ ہرگز نہیں۔ تمھارے بوڑھے باوا جان چاہیں کہ میں پھر جوان بن جاؤں بن سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں جس دن تمھارا دل نہایت خوش ہو اور تم چاہو کہ آج یہ خوشی کا دن یا خوشی کی گھڑی معمول سے بڑی ہو جائے تو ہو سکتی ہی؟ نہیں ہرگز ہرگز نہیں۔ بس ان باتوں سے تم معلوم کر سکتی ہو کہ وقت بڑا ہی بیش قیمت بلکہ ان مول جواہر ہے۔ آج کسی کے سو روپوں میں دس کم ہو جاتے ہیں تو کس قدر کُڑھتا ہی اور افسوس کرتا ہی۔ ہمیں دیکھو کہ ہماری عمر میں سے بیسیوں برس کم ہو گئے اور ہم کو ذرا خیال نہیں۔ اگر ہم اپنی اس باقی عمر کو ہی حساب سے خرچ کریں تو یہ افسوس تو نہ رہے کہ ساری ہی عمر رائیگاں کھوئی ایک آنکھ پھوٹتی ہی تو دوسری پر ہات رکھتے ہیں۔ مگر ہم ایسے بے وقوف اور جاہل ہیں کہ ایک قدرت سے پھوٹے تو دوسری کو اپنی غفلت سے پھوڑ دیں کسی حکیم نے سچ کہا ہی کہ بھائیو کنجوسی کسی چیز میں جائز نہیں مگر وقت میں جس قدر کنجوسی ہو کم ہی۔ ایک تو وہ لوگ تھے کہ جن کا وقت کی نسبت یہ قول تھا۔ ایک ہم ہیں کہ بچپن ہی سے وقت کے دشمن ہو جاتے ہیں اور اپنے ہاتوں اپنی زندگی کم کرنے سے خوشی مناتے ہیں۔ دعائیں مانگ مانگ کر کہتے ہیں کہ کہیں جلدی سے جمعہ آئے جو مکتب سے چھٹی ملے۔ روز صبح اُٹھکر پوچھتے ہیں کہ اماں! آج کیا جمعہ ہی؟ جب وہ کہتی ہیں ابھی سے

پرسوں ہی تو جمعہ ہو چکا ہی۔ یہ سُنتے ہی ہمارا دم خشک ہو جاتا۔ اور کنول سا دل بجھ جاتا ہی۔ دل میں کہتے ہیں کہ دیکھیے کس دن ان کے مُونھ سے نکلتا ہو کہ آج جمعرات پیروں کی کرامات کل جمعہ ہی۔ اسیطرح اگر ہم دس برس کے ہیں تو یہی چاہتے ہیں کہ جلدی سے بارہ برس کے ہو جائیں اور اگر بارہ برس کے ہیں تو جلدی سے جوانی کی آرزو کرتے اور کھانا کھا کر موچھوں پر ہات پھیرتے ہیں کہ کہیں جلدی سے مسیں بھیگیں اور ہم مردوں میں شمار ہوں (یہ شوق جبھی تک رہتا ہی جب تک بوڑھے نہیں ہوتے۔ کیونکہ پھر تو ایک ایک گھڑی عزیز اور غنیمت ہوتی ہی جانتے ہیں ناکہ کوچ سر پر ہی اور پاؤں رکاب میں) خیر جب تو نا سمجھ بچے تھے اب بڑپن میں کیا پتھر پڑتے ہیں۔ اگر ذرا سُن لیتے ہیں کہ کل ہماری نانی اماں آئیں گی یا پرسوں ابّاجان نوکری سے تشریف لائینگے تو وہ دن کاٹنا دوبھر ہو جاتا ہی۔ یہی چاہتے ہیں کہ یہ شام کل کی ہوتی آج ہی ہو جائے۔ اور ہم جلد اُن سے مل لیں اسی طرح عزیزوں دوستوں کی ملاقات کا وعدہ باتوں کا شوق۔ بیاہ شادی کا انتظار۔ عید بقرعید کا چاؤ تیج تہوار کی اُمنگ درمیان کا زمانہ اجیرن کر دیتی ہی۔ روزہ رکھا ہی تو صبح ہی سے شام کی راہ دیکھ رہے ہیں کہ کب مُلّا اللہ اکبر کہے اور کب مُنھ میں اَلا بَلا پڑے اگر تنخواہ دار ہیں تو روز ایک ایک گھڑی گن گن کر کاٹتے اور جلد مہینا پورا ہو جانے کی آرزو کرتے ہیں اور جو روزینہ دار ہیں تو یہی چاہتے ہیں کہ کسی طرح حقہ پینے ہی میں شام ہو اور اپنی مزدوری لے کر سیدھے سیدھے گھر سدھاریں۔ اسی طرح اگر ہماری ترقی نوکری کی میعاد پر منحصر ہی تو ہم اپنے وقت کی قیمت کا تو چنداں خیال نہیں کرتے مگر اس میعاد کے جلد پورا ہو جانے کو دل سے مناتے ہیں۔ سود کا بنج

کرنے والوں کو دیکھو جوں جوں وقت گزرتا ہی میتی بڑھنے سے کیسے خوش ہوتے ہیں گو اُن کی زندگی عمر اور وقت کے گھنٹے پر منحصر ہی۔ ماں اپنے بچے کے بڑا ہو جانیکے واسطے کیسی کیسی گڑگڑاتی اور کس کس کے آگے ناک رگڑتی ہی۔ روز یہی حساب لگاتی اور ایک ایک دن گنتی ہی کہ آج میرا بچہ اللہ رکھے چار دن اوپر دو برس کا ہوا۔ کل کو پانچ کا ہو کر اماں باوا کے پیچھے پیچھے پھرے گا۔ اب کے سال بارہویں گرہ لگے گی۔ اگلے برس تیرہ بھر کر چودھویں میں شروع ہوگا۔ یہ کبھی خیال نہیں آتا کہ آج اس کی عمر میں سے اتنے برس کم ہوئے کل اتنے برس گھٹ جائینگے۔ مسافر کو سوار ہوتے ہی منزل پر پہنچنے کی پڑ جاتی ہی۔ جہاں تک بنتا ہی مہینوں کے سفر کو دنوں میں اور دنوں کی مسافت کو گھڑیوں میں طے کرنا چاہتا ہی۔ اس سے اُس کی یہ غرض نہیں ہوتی کہ ہمارا وقت بچے بلکہ یہ مُراد ہوتی ہی کہ دنوں کی گنتی جلدی پوری ہو کر ایک ایک دن پلک مارنے میں گزر جائے۔ غرض ان باتوں سے ثابت ہی کہ ہم کو اپنے وقت کی بالکل قدر نہیں باوجودے کہ ہم اپنی عمر کے زمانے کو آپ خوشی خوشی گزارتے اور اُس کا جلد گزرنا پسند کرتے ہیں مگر پھر بھی یہ منظور نہیں کہ ہماری عمر کم ہو۔ کیونکہ اگر کوئی شخص اتنا کہہ دیتا ہی کہ تمھاری عمر کا بہت سا حصّہ گزر گیا تو ہمیں نہایت ہی ناگوار گزرتا اور یہ دل چاہتا ہی کہ بس اس کا مونھ نوچ لیجیے اور جس زبان سے یہ کہتا ہی اُسے گدّی کے پیچھے سے نکلوا دیجیے۔ ہم کبھی نہیں چاہتے کہ ہماری عمر کم ہو اور یہی وجہ ہے کہ ہمیں اپنی عمر ہمیشہ دراز معلوم ہوتی ہی۔ ہر ایک چیز ایسی مضبوط بنانی چاہتے ہیں کہ قیامت کی خبر لائے حالانکہ آپ اُس چیز کے ٹوٹنے سے پہلے ہی چل بستے ہیں۔ اس خیال کا نام غفلت اور اور اس سمجھ کا نام پردۂ غفلت ہی۔ دادا پردادا سکڑدادا کسی کو نہ دیکھا اور یہی سُنا

کہ انھیں مُوئے اتنی مدّت ہوئی۔ انھیں گزرے اتنا زمانہ ہوا مگر ہمیں یقین نہیں آیا کہ
درحقیقت وہ مر گئے یا کہیں چلے گئے۔ ماں کو مرتے ہوئے ہم نے دیکھا۔ باپ کو
اُٹھتے ہم نے دیکھا مگر پھر بھی نہ جانا کہ ہمارے واسطے بھی یہی دن دھرا ہی۔ بدستور اُسی
حالت اور بے پروائی میں رہے جس میں اُن کے سامنے تھے۔ وجہ یہ ہی کہ عمر کی چال
اور اُس کی رفتار سے بالکل خبر نہ ہوئی عمر کے گزرنے کو زمانے کا گزرنا فقط کے بڑھنے
کو ترقی پانا سمجھتے رہے۔ کل کا ذکر ہی کہ میں بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا کہ دفعۃً حضرت
شہر کے اُس مضمون پر نظر جا پڑی جو اُنھوں نے عمر کی رفتار پر نہایت سنجیدگی سے
لکھ کر انسان کی غفلت اور غلط فہمی کا ایک عمدہ نقشہ کھینچ دیا ہی چنانچہ میں تمھیں بھی
اُس سے فائدہ پہنچانا چاہتا ہوں۔ ذرا کان دے کر سُنو اور خوب سَر دھنو۔

عمر کی رفتار

جنھیں کبھی جہاز پر سوار ہونے کا اتفاق ہوا ہے اُنھوں نے اکثر اُسوقت جب
جہاز کنارے کو چھوڑتا ہی دیکھا ہوگا کہ جہاز کی رفتار پر نگاہ بڑا دھوکا کھا جاتی ہی۔ یہ نہیں
معلوم ہوتا ہی کہ خود جہاز کنارے سے علیحدہ ہو رہا ہی بلکہ یہ معلوم ہوا ہوگا کہ کنارا
جہاز کو چھوڑ کر الگ ہٹا جاتا ہی۔ ایسے مقام پر اکثر ناتجربہ کار بچّے یقین کر لیتے ہیں کہ
اُن کا جہاز اپنی جگہ ہی پر ٹھہرا ہوا ہی۔ مگر سمندر کا کنارا اُس سے دُور ہوا جاتا ہے
یہ بھی نہ سہی ریل پر سفر کرنے والوں نے بارہا اس موقع پر جب ٹرین اسٹیشن سے روانہ
ہونے کے لیے یا کسی اسٹیشن پر ٹھہرنے کے واسطے نہایت آہستہ رفتار سے حرکت
کرتی ہی دیکھا ہوگا کہ اُس وقت ریل کے اندر بیٹھنے والوں کو یہ امر مشکل سے تمیز

ہوتا ہی کہ خود اُن کی سواری کی ٹرین حرکت کر رہی ہی یا پلیٹ فارم بلکہ صاف طور سے اگر نگاہ کا اعتبار کیا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہی کہ پلیٹ فارم اور وہ لوگ جو پلیٹ فارم پر ٹہل رہے ہیں۔ ایک اضطراری حرکت سے پیچھے ہٹے جاتے ہیں۔ اگر عقل یہ نہ بتلائے کہ اسٹیشن کا اپنی جگہ سے ہٹنا محال ہی اور متعدد تجربوں نے اس امر کو نہ ثابت کر دیا ہو۔ ہر شخص یہی یقین کرے کہ وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا ہوا ہی۔ مگر اُس کے سامنے کی چیزیں بھاگی جاتی ہیں۔ علم جیاگرفی والے اسی بات کو حرکت ارضی کی دلیل ٹھہراتے ہیں۔ انقلاب روز و شب سے جو معلوم ہوتا ہی کہ ستارے روز و شب زمین کے گرد گردش کر رہے ہیں اس کو وہ صرف خطلے بصری اور نگاہ کا ایک معمولی اندازہ تصور کرتے ہیں۔ غرض کہ انسان کو یہ بات بہت کم معلوم ہوتی ہی کہ اُس کی ذاتی حرکت کیا ہے۔ اُس کی نظر اپنی حالت اور اپنے تغیر کو بمشکل دریافت کر سکتی ہی۔ بلکہ اُس کی نگاہ تمام عالم کے تغیرات کو دیکھتی رہتی ہی۔ مگر خود اپنے تغیرات کو بہ مشکل سمجھتی ہے۔

انسان کی عمر کا بھی یہی حال ہی کہ وہ روز بلکہ ہر وقت گزرتی جاتی ہی اور کسی کو نہیں معلوم ہوتا کہ ہماری عمر کتنی گزری اور زمانے کی سڑک پر جس مقام سے کہ ہم چلے تھے اُس سے کتنی دُور نکل آئے اور کہاں پہنچے۔ بعض لوگوں نے عمر کو ریلوے ٹرین سے تشبیہ دی مگر یہ تشبیہ مذکورہ طریقے پر جہاں تک صحیح ہو مگر اس امر میں بالکل مشابہ نہیں ہی کہ جس طرح ریلوے ٹرین تھوڑی تھوڑی دُور پر کسی نہ کسی اسٹیشن پر ٹھہرتی ہی اور بہت سے نئے سوار ہونے والے سوار ہو جاتے ہیں اور بہت سے اُترنے والے اُتر پڑتے ہیں۔ اسی طرح عمر بھی کسی مقام پر ٹھہر جاتی ہے؟ عمر ایک ایسی چیز ہے کہ جب سے اُس کی رفتار شروع ہوئی۔ اُس وقت سے نہ کبھی ٹھہری ہی اور نہ ٹھہرے گی۔

ہاں یہ ایک اُس قسم کی ٹرین ہی جو اپنی معمولی حرکت میں ذرا بھی کمی نہیں کرتی مگر نئے سوار ہونے والے ایسے شائق ہیں کہ چلتی ریل پر سوار ہو لیتے ہیں۔ اور اُترنیوالے گھبرا گھبرا تے کچھ ایسے اکتا گئے ہیں کہ چلتی ریل پر سے کود پڑتے ہیں چاہے اس حد سے گزری ہوئی جرات میں دم ہی کیوں نہ نکل جائے۔

خیر یہ امر تو ایک ایسی معمولی بات ہوگئی ہی جسے ہم روزانہی آنکھوں سے دیکھا کرتے ہیں۔ بہت سے اپنے ساتھیوں کو اس جرات کے ولولے میں کودتے دیکھ کر ہم خود روپیٹ کر بیٹھ رہے ہیں مگر یہ امر البتہ قابل غور ہی کہ ہم اس سواری کے اُن مسافروں میں ہیں جو سوار ہوتے ہی لیٹ کر سو رہے یا آنکھ بند کیے غافل پڑے ہیں یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کہاں نکل آئے جس جگہ سے سوار ہوئے تھے اُسے کتنی دُور چھوڑ آئے وہ مسافر حیرت کرتا ہی جس کو ٹکٹ بابو نے اُس مقام پر جگایا ہی جہاں وہ اُترے گا ٹکٹ بابو تاکید کر رہا ہی کہ جلدی ٹکٹ دکھاؤ لیکن یہ اس حیرت میں ہی کہ اتنی مسافت بعیدہ ہم نے سوتے ہی سوتے گزار دی اتنے جلد ہم کیونکر آن پہنچے کیا ہماری نیند ایسی طویل اور غافل تھی کہ ہم کو رستہ بالکل نہ معلوم ہوا۔ یہ اُن خیالات کے ہجوم سے محو حیرت ہو رہا ہی۔ ٹکٹ دکھانے کی طرف خیال ہی نہیں کرتا اور ٹکٹ بابو گھرک گھرک کر کہہ رہا ہی کہ جلد ٹکٹ دکھاؤ۔ آخر یہ مجبور ہو کر اس امر کا افسوس کرتا ہوا کہ ہم نے راستے کے مقامات اور سبزہ زاروں کی کچھ بھی کیفیت نہیں دیکھی اُتر پڑتا ہی۔

یہ بات دنیا میں دیکھی جاتی ہے کہ جتنے لوگ فراغت سے زندگی گزرانتے ہیں اُن کو اپنے اس طبیعی سفر کے حالات بالکل نہیں معلوم ہوتے اور جو لوگ کہ تنگی میں ہوتے ہیں اُن کو کچھ تھوڑی بہت خبر بھی ہوتی ہی۔ یہ بات بھی اس ریگولر ٹرین کی

تشبیہ سے بخوبی ثابت کر لی جا سکتی ہی۔ جب بے انتہا لوگ بچوں کی طرح سے خود رفتہ
اور بے ہوش ہو کر سوار ہونے کے لیے ریل کی جانب دوڑتے ہیں، تو سب کو یہی فکر
ہوتی ہی کہ کوئی تنہائی اور فراغت کی جگہ ملے تو وہاں جا بیٹھیں مگر کم ایسے لوگ ہوتے
ہیں جن کو اپنی خواہش کے موافق جگہ ملتی ہو۔ آخر مجبور ہو کر جس کو جہاں بن پڑتا ہی وہیں
گھس بیٹھ کر اپنی جگہ کر لیتا ہی۔ اکثر کشمکش اور تنگی کے مقام میں ہوتے ہیں۔ مگر بعض
ایسے خوش نصیب بھی ہوتے ہیں جن کو بڑی فراغت کے ساتھ کسی ایسے کمرے میں
جس میں لوگ کم ہیں یا نہیں ہیں جگہ ملجاتی ہے۔ پھر اُس کے بعد وہی لوگ کچھ ہوشیار
رہتے ہیں جو تنگی اور کش مکش میں ہیں۔ اُنہیں نیند کے جھونکے آتے ہیں مگر تنگی کے باعث وہ
اونگھ اونگھ کر چونک پڑتے ہیں لیکن وہ لوگ جن کو فراغت سے جگہ مل گئی تھی اُنھوں نے
پیشتر اپنا اسباب ٹھکانے سے رکھا اور لمبی تان کے لیٹ رہے لیٹے اور سوئے
پھر اکثر کی تو وہیں آنکھ کھلتی ہو جہاں اُترنا ہی۔ اُن کو جگہ وسیع ملتی ہی۔ جہانتک چاہیں
پاؤں پھیلائیں کوئی منع کرنے والا نہیں اپنے طمینان سے آنکھیں بند کیے سویا
کرتے ہیں۔ ہم تو سمجھتے ہیں کہ اُن سے کروڑ درجے وہ اچھے تھے جو تنگ حالی
کے باعث اونگھ اونگھ کر چونک کئے۔ ریل کی رفتار تو ایسی ہی جس میں گھڑگھڑاہٹ کے
باعث کبھی کبھی ذرا نیند میں خلل بھی پڑجاتا ہی اور آدمی کی آنکھ کسی نہ کسی وقت کے
ہچکولے کے باعث کُھلجاتی ہے لیکن عمر اس طرح سُبکی سے مگر تیز چلتی ہو کہ کچھ
معلوم ہی نہیں ہوتا۔ اُس کی رفتار کا اندازہ مشکل نہیں۔ محال ہی۔ اول تو سب کو
ایسے اندازے کرنے کی جانب توجہ کم ہوتی ہی اور اگر کسی کو ہوئی بھی تو وہ اُس کی
حرکت کو ایسا غیر محسوس پاتا ہی کہ کبھی اندازہ کرنے پر قدرت ہی نہیں حاصل ہوتی ہی

نیچرل یعنی طبعی دفتر سے کوئی ایسی دستورالعمل کی کتاب بھی نہیں شائع کی گئی جس سے کچھ پتہ لگتا۔ نگاہ ایسی غلطیوں پر غلطیاں کرتی ہو اور دھوکے پر دھوکا کھاتی ہو کہ جسے دیکھئے یہی کہہ رہا ہو کہ دن اور رات بالالتزام گزرتے جاتے ہیں۔ یہ کسی کی بھی زبان سے نہ نکلا کہ ہماری عمر دن اور رات کو چھوڑتی جاتی ہو۔

اس اندازے۔ کی ہمیشہ تدبیریں کی گئیں خصوصاً پچھلی دنیا نے بہت کچھ سامان جمع کر لیا۔ گھڑیوں کے ذریعہ سے وقت کا اس درجہ اندازہ کیا گیا کہ منٹ اور پل تک پر واقفیت ہونے لگی مگر وہ غلط فہمی جو ان ان کے خواب غفلت کے باعث اُس کی قدرتی سرشت میں پیدا ہو گئی تھی نہ دفع ہوئی۔ یہ کسی نے نہ سمجھا کہ اتنی عمر گزر گئی بلکہ سب کو ہمیشہ یہی خیال رہا کہ وقت برابر گزرتا ہو اور ہم جہاں تھے وہیں ہیں۔ لوگوں کو یہ کہتے بہت سُنا ہوگا کہ ہم لوگ وقت ضائع کر رہے ہیں۔ زمانہ گزر رہا ہو اور ہم اُسکا ساتھ نہیں دیتے۔ افسوس یہ بات نہیں ہو اصل تو یوں ہو کہ وقت و زمانہ جہاں تھا وہیں ہو اور ہمیشہ وہیں رہیگا مگر ہم اس تیزی کے ساتھ چلے جاتے ہیں کہ اُسکی کسی ساعت اور کسی حصے کا خیال نہیں کرتے افسوس ہو تو اس بات کا کہ ہم جس زمانے میں پہنچے اُس کی حالت بالکل نہیں دریافت کی تھی اور اپنی کوئی یادگار نہیں چھوڑی تھی کہ اُس سے آگے بڑھ گئے جس زمانے میں بطلیموس کی دلیلوں کو تمام دنیا تسلیم کر رہی تھی اور وہی نظام مسلم سمجھا گیا تھا۔ اگر اُس وقت یہ خیال پیدا ہوتا کہ فی زمانہ جو حرکت فلک الافلاک کا پیدا کیا ہوا سمجھا جاتا تھا برابر چلا جاتا ہے اور ہم اُس کی قدر نہیں کرتے اور جس مقام پر تھے اُسی جگہ ہیں تو کچھ تعجب نہ تھا۔ کیونکہ اُس وقت تک یہ خیال غلط تھا کہ وہ کرہ جس پر ہم سکونت پذیر ہیں حرکت کرتا ہو۔ اب تو حرکت ارضی مسلّم

مانی گئی ہی۔ اس وقت ہم خود حرکت کر رہے ہیں اور زمانہ ہم سے پیچھے رہا جاتا ہے کسی وقت ہم کو یہ خیال نہیں پیدا ہوتا کہ ہم نے کس قدر سیر کی اور عمر جو کبھی نہ ٹھہرے گی اُس کے کس قدر حصّے کو غارت کیا۔

مادر زمین کی آغوش ایک محمل ہی جس میں تمام نوع انسان بھری ہوئی ہے گرد پڑے پڑے ہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ کتنی مسافت طے ہوئی اور کہاں پہنچے مگر ساربان فطرت اپنے کام سے غفلت نہیں کرتا برابر کھینچے لیے جاتا ہی۔ افسوس تو یہ ہی کہ بہت سے دریافت کرنے کی کوشش میں نیچے گر گر کر جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ مگر اُس نے یہ آج تک نہ بتایا کہ کہاں لیے جاتا ہی؟ ہزاروں ریگستان اور لاکھوں آبادیاں طے ہو گئیں اور سیکڑوں طوفان اور خدا جانے کتنی آندھیاں اُٹھیں مگر اُسکی حرکت جیسی تھی ویسی ہی ہی چاہو کہ ذرا بھی رفتار میں فرق آیا ہو سو معلوم۔ یوں ہی گزری اور یوں ہی گزرتی جائیگی۔

ہماری عمر کے حصے بڑے بیش قیمت تھے۔ کوئی مقام رستہ میں ایسا نہ تھا جہاں ہم کوئی دلچسپ بات حاصل کر سکتے یا کوئی تجربہ نہ پیدا کرتے۔ اگر کوئی ریگستان بھی راستے میں ملا تو وہ ایسا دلگیر تھا کہ اگر آنکھ اُٹھا کر دیکھتے تو وہیں پہروں رہنے کو جی چاہتا ہی۔ ریگ کے ذرے ستاروں کی طرح چمک رہے تھے وہ بھی لطف سے خالی نہ تھے مگر ہیاں تو کچھ ایسی بے فکری کے ہاتوں بکے ہوئے تھے کہ کسی چیز کا مزہ نہ اُٹھانے پائے۔ جن لوگوں نے اپنے سفرنامۂ ہستی کو کوئی ضروری شے سمجھ کر بغور دیکھا ہوگا۔ اُنھیں خوب معلوم ہوگا کہ اس سے بڑھ کر کوئی مفید اور دلچسپ چیز تمام عالم میں نہیں ہی۔ مگر افسوس کہ بہت کم لوگ ایسے ہونگے جنھوں نے اسکا خیال کیا ہوگا

ہندوستانیوں کی عمر سب سے زیادہ عجیب و غریب غفلت شعاری کا نمونہ ہے جسے وہ
کبھی دھیان ہی میں نہیں لاتے۔ اُسی کے پیچھے مٹ گئے اور مٹتے جاتے ہیں مگر یہ نہ سمجھے
کہ زمانے کو ہماری عمر کس بے قدری اور لاپروائی کے ساتھ چھوڑ چھوڑ کر آگے بڑھتی
جاتی ہے۔ عمر گزشتہ کی بہت سی مفید بلکہ ضروری باتیں وہ چھوڑ آئے جن کی جانب
اُن کو بالکل توجہ ہی نہیں ہوئی اور اگر ایسی ہی غفلت شعاری اور سفیہانہ لاپروائی
ہے تو جو کچھ باقی رہ گئی ہے اُسے بھی یوں ہی رائیگاں کرینگے وہ دوسری قوموں کو
دیکھیں جنھوں نے ہر ایک حصّہ زمانے سے جس کو وہ دیکھ دیکھ کر آگے بڑھے ہیں کیسی
کیسی خوشیاں اور کیسے کیسے تجربے حاصل کر لیے مگر اُنھوں نے اُس ریلوے مسافر
کی طرح سوتے سوتے اپنے تئیں اس مقام پر غافل پہنچا دیا ہے جو اس مقام سے بہت
قریب ہے جہاں وہ اُتارے جائینگے۔ خدا کے لیے ذرا آنکھ کھول کر کچھ باتیں تو اپنی
زندگی کی یاد کر لو۔ کیونکر کہوگے کہ ہم بھی کبھی زندہ تھے۔

پس ان باتوں سے ظاہر ہے کہ ہمیں مطلق اپنی اور اپنے وقت کی خبر نہیں کسی
حکیم نے سچ کہا ہے کہ آدمی کچھ کرنا چاہے تو وقت بہتیرا ہے مگر اس کا بے موقع اصراف کم
کر دیتا ہے۔ ان ذرا ذرا سی چیونٹیوں کو دیکھو! کھودتے کھودتے دیوار کی جڑ کھوکھلی
کر کے دھڑام سے گرا دیتی ہیں۔ کیا انسان اتنا بھی نہیں کہ کسی کام کو انجام پر پہنچائے
نہیں نہیں ہم چاہیں تو ان سے بہت زیادہ کام کر کے دکھا دیں۔ کیونکہ جب وہ عقل
حیوانی سے اسقدر کر لیتی ہیں تو ہم عقل انسانی کی مدد اور طفیل سے بہت کچھ کام لینے
کی طاقت رکھتے ہیں۔ جو کام انھیں موتھ سے کرنا پڑا وہ ہم اپنے ہاتوں بلکہ ادزاروں یا
صرف تدبیر سے لے سکتے ہیں۔ پس اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ کرنا نہ کرنے سے

بہت بہتر رہتا ہی۔ ہم سرنگ لگانے سے یعنی کام کرنے سے دل چُراتے رہے اُنھوں نے گو دیر ہی میں سہی اُس کام کو انجام پر پہنچا دیا کند ذہن اور غبی لڑکے ہمیشہ پڑھ نکلتے ہیں اور ذہین مجہول صاحبزادے ہمیشہ ٹھوٹ رہتے اور بازی ہار جاتے ہیں۔

وقت کے گزرنے کا امتحان تم ایک گھنٹہ سامنے رکھ کر بخوبی کر سکتے ہو۔ جب ذرا سی دیر کے بعد آنکھ اُٹھا کر دیکھو گے جب ہی دو چار منٹ گزرے ہوئے پاؤ گے تم ایک کام پاؤ گھنٹے میں کرنا چاہو اور اُس میں دس منٹ زیادہ صرف ہو جائیں تو یہ نہیں ہو سکتا کہ تمھاری خاطر سے تمھارے گھر کا گھنٹہ دس منٹ کے لیے سُست ہو جائے یا ٹھہر رہے بس اسی پر سارے وقتوں کو قیاس کر لو۔ جب مولوی صاحب اتنا بیان کر چکے تو راحت زمانی کی والدہ اندر سے بولیں کہ یہ تو آپ نے فرمایا کہ وقت کو رائیگاں کھونا اچھا نہیں مگر اُس کے لیے کچھ کام بھی تو بتلائے ہوتے؟ تمھاری راحت زمانی بیگم نے تو کل سے اپنا سونا تک چھوڑ دیا بیمار پڑی جاتی ہی۔ ساری رات آنکھوں میں کاٹتی اور اپنے گزرے ہوئے وقت کا ہر دم افسوس کرتی رہتی ہے۔ یہ بات سُنکر مولوی صاحب بہت خوش ہوے اور فرمایا کہ بیٹی! خدا تمھیں زیادہ ہدایت دے شاباش شاباش صد رحمت تمھاری ہمت پر اور ہزار آفریں اس جرأت پر اب میں تمھاری شوق کے باعث اور دو چار روز کے واسطے اپنا قیمتی وقت تم پر تصدق کرونگا پہلے تو تمھیں یہ بتاؤں گا کہ بہو بیٹیوں کو کیا کیا کرنا چاہیے۔ اور پھر تمھارے وقت کی تقسیم ایسے ڈھب سے کر دوں گا کہ تم سارے کام وقت پر لیے جاؤ نہ تکان ہو نہ گھبراؤ۔ بیمار پڑو نہ پچھتاؤ بلکہ ایک ایک گھنٹے میں نئی طرح سے دل بہلاؤ۔ طبیعت کو تازگی ہو اور شوق بڑھے اتنے جسقدر وقت تمھیں ملے اس میں نماز سیکھو اُس کی سورتیں یاد کر دو اور سوتے وقت یہ

سوچو کہ ہم نے دن میں کون کون سے کام کیے اُن میں کتنے کام بھلائی کے ہوئے اور کتنے بُرائی کے۔ اگر اچھے کام کم ہوئے ہوں تو دوسرے روز اس بات کا خیال رکھ کر نیک کاموں کی تعداد بڑھاؤ اور اُن کی گھٹاؤ۔ یہ وہ کام ہیں جن کا تمھیں ہمیشہ خیال رکھنا چاہیے۔ دیکھو ایک ادنیٰ سا بنیا جب وقت شام کو دکان بڑھاتا ہے تو پہلے ہی لے کر تمام دن کے حساب اور بِکری کی بِدہ ملا لیتا ہی جب اُٹھنے کا نام لیتا ہی اسی طرح تم بھی جب سُوؤ تو دن بھر کے تمام کاموں کی بدہ ملا لیا کرو۔ اس سے حافظے میں ترقی ہوگی اور تمھارے اخلاق بھی سنوریں گے۔ جس طرح اس زمانے کی عورتیں تیری میری بدی غیبت۔ لڑائی جھگڑے میں اپنا دن پورا کرتی اور دل بہلاتی ہیں تم ہرگز ایسے بے لذّت اور بے سود گناہ میں نہ پڑنا۔ اور یہ بات صرف تمھارے ہی واسطے نہیں ہی بلکہ سب صاحبوں کے واسطے ہی۔

یہ فرما کر مولوی صاحب تو کھانا کھا کر رخصت ہوئے اور فرما گئے کہ انشاء اللہ کل پھر اسی وقت حاضر ہوں گا۔ مگر تمام محلے کی عورتوں کو یہ شوق ہوا کہ اُنھوں نے وہیں ڈیرے ڈال دیئے۔ ہر ایک نے اپنے اپنے گھر کہلا بھیجا کہ ہم تو ابھی دو چار روز یہیں رہیں گے۔ ان نئی روشنی کے مولوی صاحب کی باتیں ہمیں دل سے بھائیں کسی نے کہلا بھیجا کہ ہمارا کھانا یہیں آجایا کرے۔ کوئی بولی ہماری ماما یہیں پکا لیا کرے گی لیکن راحت زمانی کی والدہ کو یہ بات منظور نہ ہوئی اُنھوں نے کہا وہ اور لوگ ہوتے ہونگے جو آئے مہمان کو اپنے گھر سے نہ کھلائیں۔ تمھارے قابل نہ سہی مگر جو کچھ خدا نے دال دلیا دیا ہی اُسی کو مل بانٹ کر کھالیں گے اس پر سب نے بالاتفاق کہا کہ بیگم صاحب بُرا ماننے کی بات نہیں ہی۔ ایک دن کا مہمان دو دن کا مہمان تیسرے دن بلائے جان ہم آپ پر

اپنا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتے اللہ رکھے جب سلامتی سے بی راحت کا بیاہ ہوگا تو ہم
آنکھوں سے جتنے دن کہوگی ہیں کھائینگے پہیں پئیں گے بلکہ جس چیز کی ضرورت ہوگی
مونھ پھوڑ کر مانگ لیں گے اب تو معاف رکھو۔ ایک تو آپ کے طفیل نیک باتیں سُنیں
اوپر سے یہ اور چٹی رکھیں کہ کھانا پینا بھی آپ ہی کے۔ ڈالیں یہ بھی انصاف کی کوئی بات
ہے وہ بولیں لو اب یہ تو ہوئی ہو اور نہ ہوگی آپ کا جی چاہے رہیں جی چاہے نہ رہیں
جہاں آپ نے مجھے مہماں نوازی کے ثواب سے محروم رکھا وہاں دوسرا بھی نہ سہی
اب تو ناچار سب کو منظور ہی کرنا پڑا اور مولوی صاحب کے آنے تک وقت کا یہی
ذکر اذکار ہوتا رہا۔ جو کچھ مولوی صاحب پہلے روز فرما گئے تھے وہ بھی راحت زمانی
کی والدہ اور سب لڑکی بالیوں نے ان بوڑھی بجر واؤں کے آگے دُہرا دیا اور یہ تجویز
ٹھہری کہ کسی طرح یہ سارا قصہ اول سے آخر تک سُنا کر لکھوا دیا جائے تا کہ ہماری
اور غفلت کی ماری بہنوں کو بھی فائدہ ہو چنانچہ نور جہاں بیگم اور استانی صاحب نے
وعدہ کیا کہ یہ ساری باتیں لکھوا تو ہم دینگے مگر لکھو کوئی اور۔ اس پر محمودی بیگم
نے بیڑا اُٹھایا کہ اپنے ابا جان سے اس کی کہانی میں بنوا دوں گی تم سب کر
سے مجھے ایک ایک بات یاد دلا دینا۔ اگرچہ بیچاری محمودی بیگم بے وقت پیغام اجل
آنے سے چل بسی مگر بیویو! یہ کہانی جو اُس کی یادگار رہی ہمیشہ کے لیے زندہ لوگوں سے
زیادہ مشہور رکھے گی۔ اب تک جو کچھ تم نے سنا یا آگے سُنو گی یہ سارا اسی جان ہار
کی کوشش کا نتیجہ اور اُسی کی محنت کا پھل ہے۔ کیونکہ اُسکے باوا نے بیٹی کے کہنے کے
ساتھ تمھارے واسطے یہ قصہ بنا دیا اور اُس نوعمر کے مرنے کا غم اسی سے بھلایا۔

صبح ہوتے ہی مولوی صاحب پھر تشریف لائے اور کہا کیوں بیویو! تمھیں میری

یہ باتیں ناگوار تو نہیں گزرتیں؟ میں اپنی رائے بیان کرتا ہوں۔ اس سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ تم میرے کہنے کو مانو ہی مانو تمھیں اپنی طبیعت اور مرضی کا اختیار ہے۔ ان صاحبزادی کا شوق دیکھ کر میرا بھی جی چاہا کہ جس میں قوم کا بھلا ہو اُس سے درگزر کرنا واجب نہیں۔ سب عورتوں نے کہا کہ ہمیں جس قدر ان باتوں کے سُننے سے فائدہ ہوا اور جو کچھ آئندہ ہوگا ہم کس مونھ سے اس کا شکریہ ادا کریں۔ آپ نے ہمارے ساتھ وہ سلوک کیا جو تیراک کسی ڈوبتے ہوئے کے ساتھ کرتا ہے وہ تو ایک کو دریا سے نکالتا ہے آپ نے ہمارے ڈوبتے ہوئے بیڑے کو پار لگایا۔ خدا آپ کو اس کی جزائے خیر دے اگر ہمیں یہ باتیں پسند نہ ہوتیں تو اپنا گھر چھوڑے کیوں پڑے رہتے۔ اب مولوی صاحب نے نواب صاحب کی طرف مونھ کر کے کہا۔ حضرت اجازت ہے؟ میں جو کچھ مناسب جانتا ہوں عرض کروں نا؟۔ وہ بولے اجی آپ کیا فرماتے ہیں۔ یہ آپ کے کہنے کی بات ہے؟ آپ تو جو کچھ ارشاد کریں گے وہ ہر حال میں مفید ہی ہوگا۔ ہم جاہلوں کو تو ان باتوں کی خبر بھی نہ تھی جنھیں آپ نے سُنا کر محو کر دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ آج ہم نے جانا کہ ہم دنیا میں آئے ورنہ ہم کہاں اور یہ باتیں کہاں؟

مولوی صاحب نے فرمایا کہ بیویو! یوں تو عمر ٹیر کر دینے کے واسطے کوئی کام ایسا نہیں کہ وہ آدمی کی عمر پوری نہ کرے۔ مگر میری رائے میں ہر ایک عورت کو کم سے کم اسقدر واقفیت ہونی ضرور ہے کہ جس سے وہ دنیا میں چین سے بسر کرنے کے علاوہ دین میں بھی اچھی رہے۔ سارے جہان کی بُرائیاں جنون خفقان کی کج ادائیاں صرف بے کاری اور بے شغلی میں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ اسے پاس نہ آنے دے کیونکہ بچوں کو جب تک لائق ماں کی تعلیم نصیب نہیں ہوتی وہ علمیت اور طاقت میں کبھی نہیں پہنچتے

بلکہ ابتدا میں اُن کی صحت صرف ماں ہی کی غور پرداخت موقوف ہوتی ہے۔ حکمائے
الٰہی نے جو اس طرف توجہ کی اُس میں یہی نکتہ تھا۔ تاریخ حکماء کے دیکھنے سے معلوم ہوا
کہ حکیم فیثاغورث عورتوں کی تعلیم میں مردوں کی تہذیب سے زیادہ کوشش کرتا تھا
چنانچہ اس کی توجہ سے روم اور یونان میں جابجا زنانے مدرسے قائم ہو گئے۔ افلاطون
نے بھی اس طرف توجہ دلائی ہے۔ اسی طرح حکمارِ ہند یعنی جنگ یورپ کے حکیموں
نے بھی عورتوں کی تعلیم میں بڑی کوشش کی تھی۔ اور اُس کے طفیل سے وہاں بڑی
بڑی فاضلہ اور قابل عورتیں تھوڑے ہی عرصے میں نظر آنے لگی تھیں۔ جن کا ذکر کسی
موقع پر علیحدہ کیا جائے گا۔ جو ماں خود ہی بچّوں کے رکھ رکھاؤ سے ناواقف ہو گی
وہ کیا خاک اُن کی تندرستی کی خبر رکھے گی۔ اور جب وہ بے شغل رہی تو کیونکر یہ باتیں
سیکھے گی۔ اس امر میں اخبار النسا کا وہ مضمون اور سلسلہ دیکھنا ضرور ہے۔ جس میں
بچّوں کا رکھ رکھاؤ چھپ رہا ہے اُس کے اڈیٹر نے ثابت کر دیا ہے کہ ہندوستان
کی مائیں خود اپنے بچوں کی جانی دشمن ہیں۔ بہت کم بچّے ایسے ہوتے ہیں جو انکے
ہاتوں سے لوٹ پیٹ کر دس گیارہ برس کی عمر تک پہنچتے ہیں ورنہ تجربہ تو یہی کہتا
ہے کہ یہ اپنی جہالت کے باعث دس برس کے اندر ہی اندر اپنی بھری پُری گودی کو
خالی کر کے خاک میں سُلا دیتی ہیں۔ اب ہم سے پوچھو وہ کونسی باتیں ہیں جن کا بیویوں
کو ابتدا سے سیکھنا واجب و لازم ہے اور ماں باپ کو بیاہ دینے سے پہلے اس قدر
لائق بنا دینا فرض عین۔ یہ وہ باتیں ہیں جو خدا اور اُس کے رسول کے نزدیک بھی
بُری نہیں بلکہ سب سے بھاری اور عمدہ جہیز یہی ہے کہ بیٹی باپ کے گھر سے نیک بختی
خوش اخلاقی۔ ہمدردی۔ پاک دامنی۔ دینی اور دنیوی علم و ہنر و سلیقے کا جہیز لیکر

وداع ہو۔ ارتن برتن۔ کاٹ کباڑ۔ کپڑا لتہ۔ سونا چھونا۔ گوٹہ کناری یہ سب دکھاوے کی باتیں ہیں چند روز میں اُن کا نام بھی نہیں رہتا۔ ہنر سا رفیق کہاں ہی۔ جو ہر دم ساتھ رہے۔ ہنر سی دولت کسے نصیب جو کبھی گھٹنے کا نام نہ لے چور چرائے نہ حاکم سنگوائے۔ اور سب چیزیں تو آج ہیں کل نہیں۔ جہاں ہنر ہوگا وہاں آپ سب کچھ موجود ہو جائے گا۔ کل کی بات ہی کہ جب غدر پڑا تو اچھے اچھے امیر جنھوں نے دولت پاؤں میں بیڑیاں ڈالدی تھیں بھیک مانگتے پھرے لیکن ہنر والے غریبوں کا جب بھی موتھ لال رہا۔ بقراط حکیم نے سچ کہا ہی کہ تمام خزانوں سے بڑا خزانہ ہنر سب عزتوں سے بڑی عزت عقلمندی ہے اور تمام دشمنوں سے بڑا دشمن بدخوئی ہی۔ اسی طرح افلاطون کا قول ہی کہ خدا تعالےٰ سے دولت پائندہ مانگو۔ یعنی علم و ہنر۔

عورتوں کی ابتدائی تعلیم

(۱) ان سب باتوں میں سب سے اول اور مقدم بات یہ ہی کہ پہلے بسم اللہ ہوتے ہی **اُصول دین** و مذہب کی وہ بڑی بڑی باتیں جن پر اُن کی بنیاد قائم ہی سکھائیں۔ مثلاً خدائے واحد۔ اس کے فرشتوں۔ اُس کے رسول اُسکی کتابوں اور روز قیامت پر صدق دل سے ایمان لانا اور ہر ایک بُرائی بھلائی کو اُسی کی طرف سے جاننا۔ طریق عبادت اور تلاوت قرآن کا خوگر بنانا۔ فرائض مذہبی اور مسائل ضروری سے واقف کرنا۔ جیسے نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ یہ فرائض میں داخل ہیں۔ اور ان کا ادا کرنا داخل عبادت۔ اسی طرح رسول مقبول کی پیروی ممنوعات سے پرہیز اس عبادت کا جزو اعظم ہی۔ عبادت کیا ہی؟ اپنے خدا کے سامنے اس

بات کا اقرار کرنا کہ الٰہی میں تیرا عاجز اور گنہ گار بندہ ہوں تو مالک ہی میں مملوک ہوں۔ دنیا میں خدائے تعالےٰ کی عبادت سلامتی کا وسیلہ اور عقبیٰ میں نجات کا ذریعہ ہے اُس سے زیادہ کون بیوقوف ہوگا جو اس دین و دنیا کی ارزاں نعمت پر لات مار کر اپنے اوقات عزیز ضائع کرے۔ حکیم بزرجمہر نے عبادت کے باب میں خوب ہی فیصلہ کیا ہی اُن کی رائے میں خدا تعالےٰ کی عبادت کے لیے دل کا حصّہ فکر۔ زبان کا حِصّہ ذکر اور سر کا حصّہ سجود ہی۔ پس بیٹی راحت زمانی پہلے تم ان باتوں کو سیکھو اور جس ترکیب سے میں بتاؤں ہر ایک چیز کا وقت باندھ لو۔ پھر دیکھو چند دنوں میں تم کیا سے کیا ہو جاتی ہو۔ یہی لڑکیاں جو آج تمھارے سونے پر ٹھٹّے مارتی ہیں آنکھوں پر بٹھائیں تو سہی ؟۔

(۲) اُصول اخلاق۔ اس میں بہت سی باتیں ہیں مگر سب کا خلاصہ یہ ہی کہ آدمی اپنی عادت و خصلت کو پسندیدہ خلائق بنائے۔ مثلاً میٹھی زبان سے بولنا۔ اترا کر بات نہ کرنا۔ اپنے تئیں حقیر سمجھنا۔ ماں باپ اور بڑے بوڑھوں کا اُن کے درجے کے موافق ادب کرنا۔ متواضع بننا۔ صبر و قناعت اختیار کرنا۔ غیرت مند ہونا۔ امانت میں خیانت نہ کرنا۔ دیانت دار رہنا۔ سچ بولنا۔ وعدے کا پورا کرنا۔ خدا کو حاضر جاننا سخی بننا۔ بھید چھپانا۔ ہمدردی اختیار کرنا۔ رحم دل بننا۔ بگانا عیب چھپانا۔ گناہوں سے بچنا۔ عفت اور عصمت کا خیال رکھنا۔ ہر شخص کا حق سمجھنا۔ یہ سب باتیں اُصول اخلاق میں داخل ہیں۔ تمھیں وہ کتابیں دیکھنی ضرور ہیں جن میں اس قسم کی باتیں لکھا گیا ہوں اور اُن کا بہم پہنچا دینا ماں باپ پر فرض ہی۔

(۳) اصول خانہ داری۔ عورتوں کا سب سے اچھا زیور عمدہ سے عمدہ بناؤ

بلکہ سو حسن کا ایک حسن یہی ہے جس میں گھرداری کا سلیقہ نہوگا اُس سے پھوہڑ دنیا بھر میں نہوگی جو صاحب زادی خود کھانا پکانا نہ جانے گی اور اُس کے ہات سے طرح طرح کے کھانے نہ نکلے ہوں گے وہ اپنی ماماؤں سے کیا خاک کام لے گی۔ اور اگر ایک وقت ماما نہ ہوئی یا اُس کے رکھنے کا مقدور نہ ہوا تو کیونکر تو آپ پکا کر کھائے گی اور کس طرح بال بچوں اور آئے گئے کی ضیافت کا سامان کرے گی۔ بیوی بیٹیوں کے لیے گھر کا پہلا کام یہی ہے جو لڑکی اس امتحان مین پوری اُتری۔ یہ جان لو اُس نے گھر کا سارا کام سنبھال لیا ہم نے اونچے اونچے گھروں کی بہو بیٹیوں نواب زادیوں کو ایسا لذیذ کھانا پکاتے اور اُس میں ایجاد نکالتے دیکھا ہے کہ کوئی رکاب دار یا نامی باورچی کیا پکائے گا شاہی بکاول بھی اُن کے آگے کان پکڑتے اور ایک دفعہ کھا لینے والے ہمیشہ ہونٹ چاٹتے ہیں۔

سینے پرونے کا سلیقہ کترنے بیونتنے کی سمجھ۔ تراش و خراش کا مادّہ اِس زیور کی جڑاوٹ۔ جس عورت کے ہات میں یہ ہنر ہوگا وہ آپ بھی ایک سے ایک عمدہ تراش نکال کر خوش وضع بنی رہے گی اور اپنے بچوں اور خاوند کو بھی جامۂ زیب بنا دے گی۔ یہ بھی نہ سہی معلانی کو تو عیب و صواب بتا سکے گی۔ گھر کی آراستگی۔ فرش و فروش کی درستی ہر ایک چیز کا اپنے اپنے قرینے سے رکھنا۔ ایک ایک چیز کی صفائی طرح طرح کی ستھرائی۔ بچوں کی پرورش کا طریقہ۔ ان کی خبرگیری۔ گھر کا حساب کتاب جز رسی اور کفایت شعاری پس اندازی۔ عاقبت اندیشی۔ گھر کا انتظام ضرورت پر ہر ایک چیز کا گھر سے نکلنا۔ ہر طرح کا سامان موجود رہنا یہ ساری باتیں اُصول خانہ داری سے متعلق ہیں۔ بھلا ان میں سے کون کون سی باتیں تمھیں

معلوم ہیں ؟۔ اُن والدہ بولیں ایک بھی نہیں۔ ایک دفعہ آپ ہنڈکلیا پکانے بیٹھیں جو کچھ اُس کا درجہ کیا میں ہی خوب جانتی ہوں۔ دال آپ کو الگ چاول آپکو الگ۔ نمک زہر۔ دال گڑھی۔ غرض ایسی تبولی پکا کر کھڑی ہو گئیں کہ جیسے چنبیلی سار کی پھوہڑ نے بھی قبول نہ کیا۔ خدا کے فضل سے ہر فن ہر ایک ہنر کے آدمی گھر میں موجود ہیں۔ مگر ہماری صاحب زادی سے ایک ٹانکا تو سیدھا بھر والو۔ مولوی صاحب نے کہا جلدی نہ کرو۔ اب دیکھنا آپ ہر ایک چیز کی قطع انھیں سے پوچھا کریں گی۔ کیوں بی راحت! یوں ہی ہے نا ؟۔ جی میں کیا عرض کروں خدا نے چاہا تو جان تو بہتیری ماروں گی اور دال نہیں تو دلیا جب بھی کر کے دکھا دوں گی۔ اب میری ہمت وہ نہیں رہی میں خوب جانتی ہوں کہ وقت تھوڑا ہی اور مجھے کام بہت سے کرنے ہیں۔

(۴) **اصول صحت**۔ اس کی واقفیت سب سے مقدم ہی کیونکہ جان ہے تو جہان ہی اس سے ہماری غرض اُن باتوں کی پہچان اور برتاؤ ہی جن سے آدمی خود بھی تن درست رہے اور اپنے بال بچوں کو بھی ہر طرح کی بیماری سے محفوظ رکھے۔ ہر قسم کی توانائی۔ دل کی تازگی۔ دل کی خوشی اور عقل کی رسائی ایک تن درستی پر منحصر ہی۔ وہ جو کہتے ہیں ایک تندرستی ہزار نعمت ایک دکھ ہزار قیامت کچھ جھوٹ نہیں ہی دیکھو بیمار کا مزاج کیسا چڑچڑا اور نازک ہو جاتا ہی کہ اُسے سیدھی بات بھی بُری لگتی ہی لیکن تن درست آدمی ناگوار بات کو بھی ہنس کر ٹال دیتا ہی۔ مگر اس کا کیا علاج کہ تن درستی کی قدر بیماری کے سوا نہیں ہوتی۔ اگر ہمیں خدا عقل دے تو ہم تا بمقدور اُن سببوں کو ہرگز جمع نہ ہونے دیں جن سے آدمی بیمار پڑ کر آدمیت سے خارج اور دنیا کی تمام لذتوں سے محروم ہو جاتا ہی۔ اول ہمیں دیکھنا چاہیے کہ بیماری

زندگی کن باتوں پر منحصر ہے۔ ظاہر ہے کہ ہماری حیات کا مدار تین چیزوں پر موقوف ہے۔ اول ہوا۔ دوسرے پانی تیسرے غذا۔ جب تک یہ تینوں چیزیں صاف اور عمدہ یعنی لطیف بہم پہنچیں گی ہم برابر بیماری سے محفوظ اور تن درست رہیں گے جہاں ان میں فرق آیا اور ہماری تندرستی نے ہات کھینچا۔ پانی یا غذا کے بغیر تو آدمی کوئی دن جی بھی سکتا ہے مگر ہوا ایک ایسی انمول نعمت ہے کہ اس کے نہ ہونے سے آدمی چھٹکا نہیں کھاتا۔ ذرا سانس رکتے ہیں تو کیسا دم گھٹتا ہے اور ذرا سی دیر ہوا بند ہو جاتی ہے تو کیسا آدمی بولا جاتا ہے کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

قیام جسمِ خاکی ہے نفس پہ

ہوا پر ہے بنا اپنے مکاں کی

اب ہمیں سمجھنا چاہیے کہ ہوا کن کن اسباب سے خراب و کثیف اور کون کون سی تدبیروں سے پاک و لطیف ہوتی ہے۔ اگرچہ بہتیرے قدرتی سبب ایسے ہیں کہ اُن سے آپ ہی ہوا بگڑتی اور آپ ہی سنورتی ہے۔ مثلاً بارش کے باعث زمین میں سے کثیف بخارات کا نکل کر ہوا کو خراب کر دینا۔ اور آندھی کا آکر انھیں اُڑا لیجانا مگر نہیں بہت سے اسباب ایسے بھی ہیں کہ وہ ہمارے ہی دم سے پیدا اور ہماری ہی کوشش سے رفع ہو سکتے ہیں۔ کبھی تو ہوا بہت سے آدمیوں کی سانس سے بگڑ جاتی ہے کیونکہ سانس کے ساتھ ہمارے جسم کے اندر سے زہریلی ہوا نکلا کرتی ہے چنانچہ اسی سبب سے تنگ مکان میں بہت سے آدمیوں کے جمع ہونے کو منع لکھا ہے۔ تجربہ کار حکیموں کا قول ہے کہ ہر ایک آدمی کے واسطے تین گز لمبی اور دو گز چوڑی جگہ ہو جب اُس کے اس پاس کی ہوا خراب نہیں ہوتی بلکہ بیمار کے واسطے تو

جس قدر کشادہ اور کھلی ہوئی جگہ ہوگی اُسی قدر وہ جلد توانا اور تندرست ہوگا۔ اسیطرح کبھی کسی چیز کے سڑ جانے کبھی کثیف چیز کے جلانے۔ کبھی چراغوں کے دھوئیں کبھی جا ضرور کے صاف نہ رہنے کبھی موری میں پانی جمع رہنے کبھی پاس پاس سونے سے ہوا بگڑ جایا کرتی ہی۔ بعض آدمیوں کو مونھ ڈھانک کر سونے کی عادت ہوتی ہے باوجودیکہ اُن کی سانس کی زہریلی ہوا لحاف کے اندر جمع ہوکر اُن کا دم اُلٹا دیتی اور روز بروز رُوح کو تحلیل و ناتوان کرتی ہی۔ مگر ان اللہ کے شیروں کو مطلق خیال نہیں ہوتا یہاں تک کہ اکثر وزبیمار پڑ جاتے اور اُس بیماری کے بڑھ جانے سے اخیر کو دنیا کے جنجال سے چھوٹ جاتے ہیں۔

ہوا کی صفائی اول تو قدرت سے خود ہی ہوتی رہتی ہی یعنی کبھی جھکڑ چل کر صاف ہوجاتی ہی کبھی اُس کی کثافت اور زہر کو درخت چوس لیتے ہیں کبھی حرارت آفتاب جذب کرلیتی یا رقیق کر کے بہا دیتی ہے۔ القصّہ کبھی کوئی مادّہ گھسیٹ لیتا ہی کبھی کوئی مادہ پی لیتا ہی۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو آدمی کی زندگی محال ہوجاتی۔ مگر نہیں اسکی صفائی کے واسطے خدائے تعالےٰ نے انسان کو بھی عقل دی ہی کہ وہ جب ہوا کو مضر دیکھے یا اُس میں کثافت پائے تو اُن چیزوں سے اُس کی صفائی کرلے جن میں خدائے تعالیٰ نے اس کثافت کے جذب کرلینے کی طاقت بخشی ہی۔ مثلاً جابجا مکان کے کونوں کتروں میں کوئلے ڈال دے کہ وہ ہوا کے زہر کو چوس لیتے ہیں یا مکان میں گندک کی دھونی نہ دے کہ وہ کثیف اجزا کو پگھلا کر بہا دیتی ہی۔ کافور اور سرکہ کھول کھول کر رکھ دے۔ مکان کوڑا کرکٹ اور جالوں والوں سے خوب صاف رکھے۔ پیخانہ کی کھڈیوں کے نیچے یا تو سلیں لگوا دے یا کونڈے رکھوا دے تاکہ زمین میں فضلہ گر کے اُسے خراب

بخارات اُٹھانے کا موقع نہ دے۔ پیشاب کرنے کی جا میں بھی یا تو کوئی برتن رکھے یا ڈھیر سا دریا کا ریتا ڈال دے کہ وہ فوراً جذب کرلیتا ہی۔ مکان میں دو چار پودوں کے گملے رکھدے کہ اُن سے بھی ہوا صاف ہوتی ہی۔ بعض اوقات دریا کے ریتے کا کام اُپلوں کی راکھ سے بھی نکل سکتا ہی پس ضروری کہ اوّل تو پیخانا ہر وقت صاف رہے اگر اس میں دقت ہو تو بہت سی راکھ اُس میں ڈال دی جائے اور جو ہم لوگوں کے مکان بڑے بڑے ہوں اور اُن میں دس پانچ چھوٹے موٹے پیڑ بھی ہوں تو ہمیں گندگی صاف رکھنے کے سوا اور چیزوں میں روپیہ صرف کرنے اور دقتیں اُٹھانے کی حاجت نہو اور اگر ہم روپے کا صرفہ کرکے ان تدبیروں کو نہ کریں تو بیماری میں اس سے زیادہ عطاروں اور حکیموں کا گھر بھرنے کو درکار ہو۔ بعض عورتیں دال یا گوشت وغیرہ کا دھوون چاولوں کی پیچ گھر میں یوں ہی ڈال دیتی ہیں۔ یہ نہیں کہ ایک برتن میں جمع کرکے باہر پھنکوا دیں یا کسی گڑھے میں دبا دیں اس سے بھی ہوا اسی طرح بگڑتی ہی جس طرح کسی چیز کے سڑ جانے سے۔ جیسے ہوا کی صفائی ضرور اور لازم ہی ایسے ہی اپنے جسم اور اپنی جلد کی صفائی بھی نہانے سے واجب اور ضرور ہی۔ جلد اگرچہ جسم کا اوپری حصہ ہی مگر درجے میں کسی اندر کے حصے سے کم نہیں اس کے مسامات اندرونی محل کی کھڑکیاں ہیں یا اندھیری کوٹھری کے روشندان ہیں ان کے وسیلے سے بودار فضلے اس طرح نکلتے ہیں جس طرح باورچیخانہ کے تابدان سے دھواں اگرچہ یہ کھڑکیاں میل کچیل سے بند ہو جائیں تو وہی خرابی لائیں جو دھواں مکان میں گھُٹ کر لاتا ہی۔ اب اس لیے ضرور ہوا کہ ہم روز نہائیں اُجلے اُجلے کپڑے پہنیں۔ یہ نہیں کہ ایک ہی کپڑا جسم سے چمٹا رہے اور وہ میلا ہو کر اپنے میل کچیل اور

بد بو کو پھر بہلے مسامات میں پہنچا دے۔ بعض آدمی نہا دھو کر پھر وہی کپڑے پہن لیتے اور اس سے نہلے نہ نہائے ایک سے ہو جاتے ہیں۔ اور کچھ نہیں تو نیچے کا کرتہ جو جسم سے چسپاں رہتا ہی اُسے تو ضرور ہی بدلتے رہا کریں۔ اس کے علاوہ جسم کو کبھی کبھی ہوا بھی دیتے رہیں۔

پانی۔ انسان کی زندگی کا دوسرا جزو پانی ہو۔ جو نقصان ہوا کے بگاڑ سے پیدا ہوتے ہیں وہی پانی سے بھی ممکن ہیں۔ فرق اتنا ہی کہ ہوا سے جو ہم کو ہر سانس اور ہر دم کے ساتھ کام لینا پڑتا ہو اور وہ ہر دفعہ پھیپھڑے میں جا کر خون کی صفائی اور روانی میں مدد دیتی اور رگ رگ میں سرایت کر جاتی ہو اس سبب سے ہوا ہماری روح کو بہت جلد اور فوراً صدمہ پہنچا سکتی ہو اور پانی رفتہ رفتہ اپنا اثر دکھاتا ہے پانی کے بگاڑ سے اکثر یہ بیماریاں ظہور پکڑتی ہیں۔ معدہ بڑھ جاتا ہی کھانا بہت کم ہضم ہوتا ہی۔ اور بھوک جاتی رہتی ہی۔ بدن میں خارشت چل۔ داد۔ پھوڑے اور پھنسیاں ہوجاتی ہیں۔ بعض ملکوں میں بند پانی استعمال میں لانے سے نہروا نکل آتا ہی جو گرسل کی بیٹ سے پیدا ہوتا ہی اور بدن کے اندر سے سوت سا نکلتا ہی۔ اصل میں یہ ایک قسم کا کیڑا ہوتا ہی اس کے سبب سے اتنی تکلیف ہوتی ہی کہ آدمی مہینوں کام کاج سے جاتا رہتا اور ایک جگہ پڑا رہتا ہی۔ کھانسی۔ زکام۔ افزونی بلغم۔ خلل گردہ۔ فتق۔ فیل پایہ۔ گھینگا۔ غرض اور اسی قسم کی صدہا بیماریاں۔ خراب پانی سے لاحق ہوتی ہیں۔ بلکہ بعض اوقات پتھری کا مادہ بھی اسی سے پیدا ہو جاتا ہی۔ پانی میں بہت سے ایسے چھوٹے چھوٹے زہریلے کیڑے ہو جاتے ہیں جو ظاہر میں تو خوردبین کے بغیر دکھائی نہیں دیتے مگر اندر جا کر دل جگر پھیپھڑے کو ضرر پہنچاتے ہیں۔ اول تو ہو

کی صفائی عین پانی کی صفائی ہے یعنی اگر غلاظت کثافت وغیرہ کا بند وبست ہو تو
پانی بھی نہ بگڑے کیونکہ پانی کو اکثر تو ہوا ہی بگاڑتی ہے اور اسی کے وسیلے سے
اُس میں خرابی آتی ہے۔ لیکن بعض اوقات کانی چیزیں بھی گھل گھل کر اُس میں شامل
ہوجاتی اور نقصان پہنچاتی ہیں مثلاً چونہ۔ سہاگا۔ نمک۔ یہ اکثر پانی میں گھلا
کرتا ہے۔ چونے سے گلے کی بیماریاں۔ سہاگے سے فتور ہاضمہ۔ نمک سے جلدی
امراض پیدا ہوتے ہیں۔ پانی ظاہر ہے تین وسیلوں سے بہم پہنچتا ہے۔ سو تینوں حالتوں
میں برابر ہوا کا دخل پایا جاتا ہے مثلاً مینہ کا پانی جو ہوا سے گزرتا اور اسکی کثافت
ساتھ لیتا ہوا زمین پر گرتا ہے۔ کچھ تو وہاں کا وہیں زمینی کثافت کو اپنے ہمراہ لیکر
جذب ہو جاتا ہے اور کچھ اسی حالت سے دریا میں جا ملتا ہے یا برف کا پانی یہ وہ
پانی ہے جو بارہ مہینے دریاؤں کو جاری رکھتا ہے۔ کیونکہ اونچے پہاڑوں پر مینہ کے
بجائے برف پڑا کرتی ہے۔ اور گرمی کے موسم میں وہی پگل پگل کر بہتی رہتی ہے جس سے
بڑے بڑے دریا بہنے لگتے ہیں۔ گرمی کے دنوں میں دریا کے چڑھنے اور فالیز کی
بہ جلنے کا یہی باعث ہوا کرتا ہے۔ یہ پانی بھی راستے کی ہوا جگہ جگہ کی کثافت اور
طرح طرح کی جڑی بوٹیوں کا عرق لیتا ہوا اپنے ساتھ آتا ہے۔ لیکن پینے کے واسطے
اس سے بہتر کوئی پانی نہیں ہے۔ کیونکہ ایک تو بہتا ہوا پانی دوسرے ہلکا ہوتا ہے
اس کا امتحان اسی سے کر سکتی ہو کہ دال دریا کے پانی سے جلد گل جاتی ہے۔ اور
کوئیں کے پانی سے یا تو گلتی ہی نہیں یا بالکل ٹھر جاتی ہے یا دیر میں گلتی ہے۔ پس جو
پانی باہر اناج کو اچھی طرح گلا دیتا ہے وہ پیٹ میں بھی اچھا ہاضمہ کریگا اب رہا کنوئے
جوہڑ تالاب کا پانی۔ ان میں کنوے کا پانی چونکہ اس کی سوت جاری رہتی ہے بہتر ہے

اگرچہ کثافت غلاظت اور ہوا کے اثر سے وہ بھی خالی نہیں (اس کا باعث ہم اوپر
مینہ کے پانی میں بیان کر چکے ہیں اور یہ کنوئے کا پانی درحقیقت وہی مینہ کا پانی ہے
جو زمین میں جذب ہو جاتا ہے) لیکن جوہڑ یا تالاب کا پانی بند رہنے کی وجہ سے کسی
حالت میں عمدہ نہیں سب سے زیادہ مضر اور بیماری کا گھر یہ پانی ہے۔ اس میں ہزاروں
دفعہ کیڑے پڑتے اور اسی میں گل سڑ کر مل ملا جاتے ہیں۔ بلکہ یہی حال اُن کنوؤں کے
پانی کا ہے جن میں سے کبھی پانی نہ کھینچا جاتا ہو۔ بعض کنوئے کے پانی میں بھی چونے
کی آمیزش ہوتی ہے اس کی پہچان یہ ہے کہ اگر اُس کی گاد میں مٹی کے علاوہ کچھ
سفید سفید ریزے دیکھیں تو انھیں لے کر سکھا لیں پھر ذرا سا سرکہ ڈال کر آزمائیں
چونہ ہو گا تو اُسی وقت پگل جائے گا۔ اکثر شہروں اور خاص کر گنجان آبادی کے کنوئیں
بہت ہی خراب ہوا کرتے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ کثافت اور غلاظت پائی
جاتی ہے۔ تم نے دیکھا ہو گا کہ شہروں کے اندر بہت کم میٹھے کنوئیں ہوتے ہیں۔
اور جو شہر بہت پُرانا ہوتا ہے اُس کے کنوئیں تو اس قدر کھاری ہوتے ہیں کہ اُن کا
پانی کڑواہٹ کے مارے زبان پر نہیں رکھا جاتا۔ موہنہ دھونے سے پلکیں گر گر پڑتی ہیں
بلکہ وزن میں بھی بھاری ہوتا ہے اس کی یہی ہے کہ وہاں جو مدت سے کثرت آبادی کے
باعث ہر قسم کی غلاظت اور طرح طرح کی کثافت جیسے پیشاب اور پیخانہ وغیرہ کے
اجزا زمین میں جذب ہو ہو کر نیچے بیٹھے ہیں۔ اُنھوں نے پانی میں جا کر اپنا اثر دکھایا
ہے بلکہ مٹی کا تیل بھی ایک قسم کا تیلیا پانی ہے۔ اگر کسی اُجاڑ میں کھاری کنواں ہو تو ہم
قیاس کر سکتے ہیں کہ کسی زمانے میں یہاں مدت تک آبادی رہی ہو گی۔

پانی کی صفائی۔ اس کے صاف کرنے کی مختلف ترکیبیں ہیں مگر سب سے آسان

آسان ترکیب یہی ہی کہ اسے مٹکے ہیں ٹھہر جانے دیں جب گاد نیچے بیٹھ کر پانی نتھر جائے تو اپنے کام میں لائیں لیکن بہتر یہ ہی کہ اُسے چھان بھی لیں کیا تم نے اس عمدہ کہاوت کو نہیں سُنا کہ " پانی پیجے چھان کے۔ گرو کیجے جان کے" اگر بہت گدلا ہی اور کسی طرح صاف ہی نہیں ہوتا تو زملی مغز بادام یا آڑو کی گری مٹکے ہیں گھس دینے دینے سے بہت جلد صاف ہو جاتا ہی۔ اگرچہ بعض لوگ پھٹکری سے بھی صاف کرتے ہیں مگر اس سے مزے میں فرق آجاتا اور نقصان بھی ہوتا ہی یعنی مثانہ کو مضر ہی۔ اگر تکلف اور زیادہ احتیاط منظور ہو تو اس سے بہتر کوئی ترکیب نہیں کہ تین ٹھلیاں لیکر اُن کے واسطے صندلی نما گھڑونچی نوائیں اور تھوڑے تھوڑے فاصلے سے اوپر تلے رکھیں۔ سب سے اوپر کی ٹھلیا میں اُس کی چوتھائی کوئلے بیچ کی ٹھلیا میں اسیقدر بالو دریا کا ریتا بھر دیں اور ان دونوں کے پیندے میں ایک ایک چھید کر کے اونی کپڑے کی ڈاٹ لگائیں اور جو کپڑے کی ڈاٹ لگا دیں تو اُسے دوسرے تیسرے روز بدلتے رہیں کیونکہ کپڑا جلد سڑ کر بو دار ہو جاتا اور اُس کا اثر پانی میں بھی پہنچ جاتا ہی اور اُن میں ایک مدت کے بعد پانی کا اثر ہوتا ہی۔ یہ پانی جو ٹپکے اسے سب سے نیچے کی ٹھلیا میں جمع ہونے دیں یہ ٹھلیا صافی سے ڈھکی رہے اور وہ بھی دوسرے تیسرے روز دھوبی کر جاتی رہے پس یہ پانی نہایت ہی ہلکا اور مصفا ہو گا۔ بعض قسم کے پتھر میں بھی یہ خاصیت ہوتی ہی کہ اُس میں سے رِس رِس کر پانی صاف ہو جاتا ہی۔ اگر اتنا جھگڑا منظور نہ ہو تو بازار سے ایک فلٹر خرید لاؤ اُس میں اسی ترکیب سے از خود پانی صاف ہو کر نیچے کے درجے میں جمع ہو جاتا ہی اور جہاں نل کا پانی بہم پہنچے وہاں کسی بات کی بھی ضرورت نہیں غرض صاف پانی ہر حال میں مفید اور گدلا نہایت مضر و غیر منہضم ہی۔ اس باب میں

جو کچھ حکیم الٰہی حضرت بقراط نے لکھا ہی وہ بھی مختصر بیان کیے دیتا ہوں۔ اُنکا قول ہی کہ اول تو کھانا کھاتے ہی پانی نہ پیو۔ دوسرے نہار موُنھ بھی پرہیز کرو۔ تیسرے غذا کے درمیان بھی پانی کے پاس نہ جاؤ ہاں ایک گھنٹے کے بعد مضائقہ نہیں چوتھے نہ تو حمام کے اندر سرد پانی پیو نہ باہر نکل کر۔ پانچویں رستہ چل کر۔ چھٹے سوتے اُٹھ کر۔ ساتویں گرم۔ آٹھویں اُس نہر کا پانی جو درختوں کے سایہ میں جاری ہو۔ نویں کھاری کڑوا۔ نمکین۔ دسویں حتی الوسع چشموں۔ کنوؤں اور جھیلوں کے پانی سے بچو۔ گیارہویں نہر اور کنوے کا پانی ملا کر نہ پیو (افسوس دہلی میں آج کل یہی پانی پیا جاتا ہی) البتہ ایسی نہر کا پانی جس میں یہ سات شرطیں پائی جائیں باشوق پیو کہ موجب صحت ہی

(۱) وہ نہر پانی سے لبریز ہو۔ (۲) اس کا صاف اور ہلکا پانی ہو۔ (۳) پتھروں پر بہتی ہو۔ (۴) اونچے سے نیچے کو آتی ہو۔ (۵) لذیذ اور شیریں ہو۔ (۶) دور سے آتی ہو۔ (۷) جنوب سے شمال یا مغرب سے مشرق کو بہتی ہو۔

غذا۔ انسان کی زندگی جسم کے قیام اور اُس کی ساخت کا تیسرا جزو خوراک ہی۔ اگرچہ اُس کی احتیاط اور اُس کا انتظام ہر ایک آدمی سے ہونا دشوار ہی۔ کیونکہ اول تو ہر وقت غذا کا حسب خواہش ملنا ہی مشکل دوسرے اگر ملی اور خریدنے کا مقدور نہ ہوا تو وہ بھی نہ ملنے میں داخل ہی۔ پس جہاں تک آدمی سے ممکن ہو وہاں تک اپنی غذا کا بندوبست رکھے اور اُس کے ہضم ہو جانے کو باعث تندرستی خیال کرے۔ اناج میں گیہوں سب سے عمدہ اور معتدل غذا ہی۔ اس سے دوسرے درجے پر باریک خوشبودار چاول بھی بُرے نہیں۔ ان میں صرف اتنا عیب ہی کہ گرم مزاج میں گرمی اور سرد میں سردی پیدا کرتے ہیں۔ اگر چاولوں کی پیچ نہ نکالی جائے تو مفید ہیں ورنہ ساری ہنیت

اور خوبی اُس کے ساتھ نکل جاتی ہی۔ اس کے بعد مونگ پھر چنا اور جو وغیرہ علیٰ قدر مراتب اپنے موقع پر انسان کی غذا میں داخل ہیں۔ زحمت کشوں اور بھوک سے کم کھانے والوں کو کوئی غلّہ نقصان نہیں کرتا ہی۔ اقسام گوشت میں حلال پرندوں جیسے تیتر۔ بٹیر۔ لوا۔ مرغ۔ کبوتر وغیرہ کا گوشت اول درجے پر ہی۔ اور بھیڑ۔ بکری کے حلوان کا دوسرے پر۔ لیکن زمانہ حال کے ڈاکٹر بکری کے گوشت کو بے سکت اور پانی کی طرح نکل جانے والا خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ اُن کے تجربے سے ثابت ہوا ہی کہ بھیڑ کا گوشت بہت جلد جزو بدن ہو جاتا ہی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جن قوموں میں اس کا رواج ہی ان کے حق میں اس سے بہتر کوئی غذا نہ ہوگی کس لیے کہ جس طرح کپڑے کا پیوند کپڑے میں لوہے کا لوہے اور کاٹھ کا کاٹھ میں لگتا ہی اسی طرح گوشت کا گوشت میں چاہیئے یعنی جسم کی سلامتی اور اُس کی مضبوطی کے واسطے گوشت کا کھانا ضروریات سے ہی۔ امیروں کے واسطے انڈوں سے بہتر کوئی غذا نہیں۔ غرض آدمی کو لطیف اور ایسا کھانا کھانا چاہیے کہ جسے اُس کا جی جھیلے اور رغبت سے کھایا جاوے من بھاتا کھانا اور جگ بھاتا پہننا خالی از فائدہ نہیں ہی۔ جہانتک ممکن ہو سریع الہضم خوب پکا اور رسکا ہوا کھانا کھائے۔ اگرچہ جاڑا ایک ایسا موسم آتا ہی کہ اُس میں پتھر بھی ہضم ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی احتیاط شرط ہی۔ گو گھی کی زیادتی ہاضمے میں فتور لاتی اور خوراک گھٹا دیتی ہی مگر سردی میں چکنائی کا کھانا خالی از مصلحت نہیں بلکہ چربی یعنی رواج سب سے زیادہ مفید ہی۔ بعض داناؤں کا قول ہی کہ بکری کے گوشت کو گائے بھینس کے گھی سے پکانا اپنے جسم کو مختلف مرضوں کا گھر بنانا ہی۔ کیونکہ بکری کی تاثیر اور ہی اور اس گھی کی تاثیر اور۔ یا تو اسی کی چربی سے پکاؤ ورنہ کوشش کرکے بکری ہی کا گھی

بھی نکالو۔ اور ایران۔ توران۔ انگلستان وغیرہ تمام ولایتوں میں برابر چربی کا استعمال ہوتا ہی۔ مگر چونکہ ہندوستانیوں کے قویٰ اس قابل نہیں اِس لیے ہم اس امر کی صلاح نہیں دے سکتے۔ ہمارے ایک حکیم الطبع دوست ہندوستان میں چربی کا رواج نہ ہونے کا سبب یوں بیان فرماتے ہیں کہ دنبہ یا بھیڑ ایک ہی چیز ہی مگر ہندوستان کی گرم آب و ہوا نے اُس کی چکتی کو گھلا کر پتلی دم بنا دیا چونکہ اور ولائتوں میں اس کی چکتی گھی کا کام دیتی ہی اور یہاں کا مینڈھا اس نعمت سے محروم ہی پس ہندوستان کے مسلمان اُس کے بجائے گھی کا استعمال کرنے لگے۔ سرد ولائتوں میں اگر چربی نہ کھائیں تو زندگی محال ہو جائے۔

حکیم فیثاغورس کے احوال میں لکھا ہی کہ اس نے اپنی ایسی معتدل غذا تجویز کی تھی کہ جس سے کبھی بیمار نہ پڑتا تھا یعنی صبحکو دودھ اور شہد پیتا۔ شام کو صرف خمیری روٹی کھاتا تھا۔ واقع میں فیتری روٹی کی نسبت خمیری ملکی اور سریع الہضم ہوتی ہی۔ عرب کے باشندے جہاں کی تندرستی ضرب المثل ہی بارہ مہینے اسکا استعمال کرتے ہیں۔ یہی حکیم کہتا ہی کہ صحت کے واسطے کھانے پینے میں اعتدال ضرور ہی۔ یعنی نہ تو اسقدر زیادہ کھاؤ کہ بدہضمی کا دُکھ اُٹھاؤ اور نہ اسقدر کم کہ تم بھی دنیا سے اُٹھ جاؤ ارسطو کا قول ہی کہ پانی اس قدر پیو اور کھانا اسقدر کھاؤ کہ وہ بدن کی غذا ہو نہ کہ بدن خود ہی اُس کی غذا ہو جائے۔ چونکہ صحت سب سے مقدم اور ضرور ہی اس لیے میں اس باب میں طبیب اول یعنی بقراط کے چند قاعدے بیان کرکے اس ذکر کو ختم کر دیتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں غذا اتنی کھاؤ جتنی معدے میں سمائے۔ جب تک کڑی بھوک نہ لگے نہ کھاؤ۔ ہمیشہ دو چار نوالوں کسر رکھ کر کھڑے ہو جاؤ۔ روغن دار

غذا کا زیادہ استعمال نہ کرو۔ جلتا جلتا کھانا ہرگز نہ کھاؤ۔ معمولی وقت پر کھاؤ۔ ثقیل غذا
کے بعد لطیف سے پرہیز کرو۔ لذیذ اور مرغوب کھانا پکواؤ ہر روز ایک ہی چیز نہ کھاؤ
کھٹی غذا سے بچو تاکہ ضعیف نہ ہو جاؤ۔ تیز نمک نہ کھاؤ تاکہ بینائی سے نہ رہ جاؤ۔
زیادہ مٹھاس سے حرارت بڑھتی ہے اور بے مزہ کھانے سے نفرت۔ شیریں چیز
کے بعد نمکین۔ ترش کے بعد شیریں ضرور کھاؤ۔ بہت سوکھی غذا نہ کھاؤ کہ اس سے
معدے میں زخم پیدا ہو جاتا ہے۔ غرض کم کھانا تن درستی کا بڑا گر ہے۔ دو دفعہ
کر کے تھوڑا تھوڑا کھانا ایک دفعہ ہی بہت سا کھا لینے سے بہتر ہے۔ چنانچہ حکیم
بزرجمہر نے بھی لکھا ہے کہ کم گو۔ کم خور۔ کم آزار آدمی ہمیشہ بلاؤں سے محفوظ تندرست
اور خوش رہتا ہے۔ ڈاکٹروں کی بھی رائے ہے کہ کھانا کچا نہ ہو جہاں تک ہو سکے
کئی طرح کی چیزیں ہوں۔ بلکہ اس کے ساتھ کچھ تازی ترکاری بھی ہو کم کھانے کی
مثال ایسی ہی جیسے جلتا ہوا توا اور پانی۔ اگر تم گرم توے پر کم پانی ڈالو گے وہ
جلدی سے اُسے جلا دے گا اور جو زیادہ ہوگا تو وہ خود توے کو ٹھنڈا کر دے گا
پس اسی طرح مقدار سے کم خوراک کو معدے کی آگ جلد پکا کر ہضم کر دیتی ہے اور زیادہ
خوراک ہضم نہ کرنے کے باعث معدہ خود تھک کر کام سے جاتا رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ
جو آدمی بیس سیر بوجھ سے زیادہ نہ اٹھا سکے اُس کے سر پر من بھر رکھ دیں تو وہ
کیونکر اُٹھا لیگا۔

اس کے علاوہ تندرستی کے لیے ان باتوں کا ہونا بھی ضرور ہے۔ مثلاً نہانا
اُجلے کپڑے پہننا۔ بدن کو ڈھکا رکھنا۔ محنت و ریاضت کرنا۔ نیند بھر سونا۔ اور
طبیعت کو ہر طرح سے خوش رکھنا۔ سونا آدمی کو کم سے کم چھ گھنٹے۔ زیادہ سے زیادہ

سات حد آٹھ کافی ہے۔ نہ سونا بھی آدمی کو بیمار ڈال دیتا ہی۔ سونے کی مثال ایسی ہی جیسے ایک کنوے سے دن بھر پانی بھریں اور رات کو چھوڑ دیں تا کہ پھر اتنا ہی پانی آجائے پس جس طرح وہ رات بھر میں پانی جمع کرکے پھر اپنی اصلی حالت پر آجائے گا اسی طرح جس قدر آدمی کے حواس اور قوتیں دن بھر میں صرف ہو جاتی ہیں سو رہنے سے پھر اُسیقدر جمع ہو کر آدمی کو بے تکان اور تازہ دم بنا دیتی ہیں

تمام حکیموں کا اس پر اتفاق ہی کہ آدمی نہ سوئے تو بہت جلد مر جائے مگر شاذ و نادر ایسی باتیں بھی سننے میں آجاتی ہیں کہ ان سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے لیکن شاذ کا اعتبار نہیں کیا کرتے۔ چنانچہ حال ہی میں ایک عجیب معاملہ پیش آرہا ہی جسے تم بھی سُنکر تعجب کروگے۔ مختلف خباروں میں لکھا کہ جوزف سلسبری جہازی جو ہوئیلنگ کا رہنے والا ہی تین مہینے ہوئے پورا گھنٹہ بھر بھی نہیں سویا اور لطف یہ ہی کہ اُس کی صحت میں ذرا فرق نہ آیا۔ جب یہ بات مشہور ہوئی اور لوگوں کو یقین نہ ہوا تو اُنھوں نے اُس کے اوپر دو آدمی متعین کیئے وہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت سے یہ جہاز کا کام کرکے اپنے کمرے میں جاتا ہی برابر جاگتا رہتا ہی اور ذرا پلک نہیں جھپکاتا ہی ہاں کتاب کے دیکھنے اور حقہ پینے سے باز نہیں رہتا۔ صبح کو پھر ویسا ہی تازہ دم اور چاق چوبند نظر آتا ہے نہ آنکھوں میں خمار نہ تندرستی میں فرق خاصا ہٹا کٹا موجود ہی۔ اب سلسبری کے پاس بہت سے ڈاکٹر رات بھر بیٹھے رہتے ہیں تاکہ اس امر کی وجہ دریافت کریں لیکن ابھی تک کسی نے شناخت نہیں کی کہ یہ کیا بیماری ہی ڈاکٹروں کو بیٹھے ہوئے بھی نوّے دن ہو گئے وہ تو باری باری سے آرام کر بھی لیتے ہیں۔ مگر سلسبری

مطلق نہیں سوتا اور کہتا ہی کہ میں جان کر یہ امر نہیں کرتا بلکہ مجھے خود ہی نیند نہیں
آتی۔ اب ڈاکٹروں کو یہ فکر درپیش ہی کہ جس حالت میں آدمی نہ سونے سے نہیں مرتا
تو کوئی ایسی چیز ایجاد کرنی چاہیے جس سے سونے کی ضرورت نہ رہے اور یہ
چھ سات گھنٹے جو سونے میں ضائع جایا کرتے ہیں، یہ بھی کام میں ہی صرف ہوا کریں
اسی طرح ایک اور شخص کا ذکر سُننے میں آیا ہی۔ یہ شخص کابل کی لڑائی میں زخمی ہوا
تھا اور اُس کے سر میں ایسی چوٹ آئی تھی کہ ڈاکٹر کو ٹانکے لگانے پڑے نہیں معلوم
اس صورت میں کون سی رگ کٹ گئی یا کیا بات ہوگئی کہ اس شخص کی نیند ہی بالکل
اُڑ گئی۔ ہر چند علاج کیا مگر آرام نہ ہوا۔ یہ سب کچھ سہی مگر بالکل نہ سونا کسی طرح
اچھا نہیں۔ اس میں خدا تعالے نے بڑی بڑی حکمتیں رکھی ہیں۔ اول تو ہر روز
موت اور زندگی کا مزہ آتا رہتا ہی۔ دوسرے حقائق شناسوں کو روح کا عروج
ونزول معلوم ہوتا رہتا ہی۔ تیسرے دنیا کی مثال اس سے بہتر سمجھ میں نہیں
آسکتی۔ چوتھے قوی کمزور نہیں ہونے پاتے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی
باتیں ہیں جن کا بیان کرنا خلاف مصلحت ہی اور نیز تمھاری کیا بہت سے مردوں
کی سمجھ سے بھی باہر ہے اگر ایک یا دو آدمی کسی خاص بیماری یا اتفاقیہ وجہ سے
بالکل نہ سوئے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ سب ہی ایسا کر سکتے ہیں۔ البتہ مناسب مقدار
سے زیادہ سونا اپنی عمر کو رائگاں کھونا ہی۔

جو عورت قانون حفظ صحت سے واقف ہوگی وہ اپنے بچوں کی پرورش
حکیمانہ طور پر کرے گی حتی الوسع ظاہری اسباب سے نہ تو اپنی اولاد کو بیمار پڑنے
دیگی اور نہ اُن کی عادت میں کوئی ایسی بات پیدا ہونے دے گی جو آگے کو اُنکی

ترقی تن درستی یا مردانہ طاقت میں خارج ہو سیکڑوں بچے جو ماں باپ کی غفلت سے بن آئی مرجاتے ہیں وہ بھی بچیں گے۔ اگر کوئی کہے کہ حفظ صحت سے کچھ فائدہ نہیں۔ موت اور زندگی سب خدا کے ہات ہی۔ سو اول یہ بات یعنی حفظ صحت کے بے سود ہونے کو تو ہم نہیں مان سکتے کیونکہ اس کا تجربہ ہمارے پاس موجود ہے کہ محتاط آدمی اور دوا دارو کرنے والا اکثر امراض سے بچ جاتا اور اپنے وقت سے پہلے نہیں مرتا۔ دوسری بات کی نسبت یہ جواب دیتے ہیں کہ آدمی جو سنکھیا کھانے سے بن آئی مرجاتا ہی۔ اس کا سبب کیا ہی؟ یہی سنکھیا کیونکہ خدا تعالے نے اسے زہر قاتل بنایا ہی۔ پس اسی طرح سمجھ لو کہ بیماری بھی ایک قسم کا زہر ہی جو قانون قدرت کے خلاف عمل کرنے سے آدمی کے جسم میں پیدا ہو جاتا اور اُسے اپنے ساتھ لے جاتا ہی۔ پس موت کے زمانے سے پہلے مرجانا ہماری بد احتیاطی یا اتفاقی اُمور میں داخل ہی۔ ورنہ خدا کی طرف سے ہر شخص کو عمر طبعی عطا ہوئی ہی۔ عمر طبعی وہی ہے کہ آدمی اپنی عمر کے تینوں درجے یعنی طفلی جوانی بڑھاپا طے کر کے رخصت ہو۔

جس زمانے میں انگلستان کے لوگ حفظ صحت کے پابند نہ تھے تو سپاہیوں کی سالانہ موت کی اوسط فی ہزار ۱۷،۹ تھی۔ جب سے قاعدوں پر عمل ہوا تو فی ہزار ۸،۵۶ رہ گئی یعنی پہلے تو ہر سال ہزار سپاہیوں میں سے بے احتیاطی کے باعث اٹھارہ آدمیوں کے قریب مرجاتے تھے اور اب ہزار پیچھے آٹھ مرتے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں ہر سال فی ہزار اُنہتر ۶۹ سپاہی مختلف بیماریوں سے جاں بحق ہوا کرتے تھے اب اٹھارہ کے قریب مرتے ہیں۔ اسی طرح قیدیوں کا حساب دیکھو تو وہاں بھی بہت فرق ہی یعنی پہلے فی ہزار تہتر ۷۳ مرتے تھے اب صرف اڑتیس ۳۸

مرتے ہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ حفظ صحت آدمی کو ضروری امر ہی اس کی پابندی نہ کرنے سے اپنے ہاتوں بیمار پڑنا اور وقت سے پہلے مرجانا ہی۔ چنانچہ عرب کا قول ہی کہ پہلے طب سیکھو پھر علم دین کی طرف متوجہ ہو۔ یعنی پہلے اپنے تئیں بیماریوں سے بچانے کی تدبیر کرو پھر اطمینان کے ساتھ عاقبت کا فکر کرنا۔

ورزش یعنی جسمانی محنت۔ جہاں صحت کے واسطے اور باتوں کا ہونا واجب ہی وہاں ہات پاؤں سے لینا بھی بہت ضرور ہی۔ جس طرح کل چلانے والے اُسکے ایک ایک پُرزے ایک ایک چول کو صاف کرتے اور تیل دے کر چلاتے ہیں اسی طرح انسان کو اپنے جسم کی کل اُس کے جوڑوں کو صاف رکھ کر چلانی چاہیے چونکہ انسان ہر قسم کی رطب و یابس چیزیں کھاتا پیتا رہتا ہی اس سبب سے اُس کے جوڑوں۔ ہڈیوں۔ پٹھوں۔ اور دیگر اعضا میں بلغم یا رطوبت آکر انھیں سست و بیکار کر دیتی ہی۔ اس کی صفائی جب ہی ممکن ہی کہ جب آدمی اپنے بدن سے اس قدر کام لے کہ اُس سے حرارت پیدا اور بلغم وغیرہ رقیق ہو کر از خود بہ جائے بلکہ اس کے بجائے اور طرف کی چکنائی وہاں تک پہنچ جائے۔ بچوں کے حق میں ورزش ماں کی دودہ سے زیادہ طاقت بخشتی ہی اور لڑکیوں کو ہمیشہ کے واسطے چست و چالاک بناتی اور صدہا امراض سے بچا دیتی ہی۔ حرارت غریزی جس پر زندگی کا مدار ہی بڑہاتی اور کوسوں چلنے پھرنے کے قابل ہی بناتی ہی۔ جس طرح مردوں کو اس کا کرنا ایک ضروری امر ہی اسی طرح عورتوں اور لڑکیوں کو بھی لازم ہی کہ وہ عورتوں کے مناسب حال ورزش کیا کریں۔ مثلاً لڑکیوں کو چاہیے کہ وہ چھوٹی چھوٹی سیڑہیوں یا دہلیزوں سے کود کر اتریں اور اُچھلکر اوپر چڑہیں۔ ہاتوں کو باری باری سے چرخے کی طرح

گردش دیں یا کسی رسّی کا گوپیا بنا کر اُسے پھرائیں۔ کبھی اس ہات سے چکر باندھیں
کبھی اُس ہات سے دائرہ بنائیں۔ جھولے پر بیٹھ کر بڑے بڑے جھونٹے لیں۔ پینگ
چڑھائیں۔ کبھی اُس کی رسّی پکڑ کر اوپر چڑھیں اور دھڑام سے کود پڑیں کبھی ہاتوں کے
بل کسی پیڑ کے گدّے یا جھولے کے بیچ کی لکڑی سے لٹک جائیں یا جھولے کیطرح
اس قسم کی ورزش کے واسطے کھم گاڑلیں اور جسم کو سادہ کر اُس تک مونھ لیجائیں
اور چوم کر چھوڑ دیں۔ کبھی اکڑوں بیٹھ کر دور تک اُچھلتی چلی جائیں اور اسی طرح اُلٹی
چلی آئیں۔ کبھی اپنے ہاتوں سے زمین کھود کر کیاریاں بنائیں اُسی میں بیج بوئیں
پیڑ لگائیں اور انھیں نرائیں۔ کبھی آنکھ مچولی کھیلیں اور خوب کد کڑے لگائیں۔ کبھی
شرط باندہ کر ایک سانس میں دوڑیں کبھی دو دو گھنٹے روز ٹہلیں کبھی پانی کی بھری
ہوئی ٹھلیا کو دونوں ہاتوں سے کنارا پکڑ کر اُٹھائیں یہاں تک کہ وہ گز بھر اونچی ہوجائے
پھر اسی طرح آہستہ آہستہ زمین پر رکھ دیں۔ کبھی دونوں طرف لکڑیاں کھڑی کر کے اُنپر
زمین سے تھوڑے فاصلے پر رسّی تانیں پہلے روز پاؤ گز اونچی رسی کے اوپر سے
پھلانگیں۔ دوسرے روز آدہ گز اونچی کر کے اُچھلیں یہاں تک کہ ایک معمولی حد
آجائے کبھی کوئی فاصلہ مقرر کر کے وہاں تک ایک دفعہ ایک ٹانگ سے جائیں اور
دوسری دفعہ دوسری ٹانگ سے اُچھلتی ہوئی آئیں۔ کبھی ایک رسی کا توڑا لیکر اُسکے
دونوں سرے ایک ایک ہات میں پکڑیں اور اُس کے اوپر سے خود ہی اس طرح اچھلیں
کہ رسّی پیروں میں سے صاف نکلجائے اور آپ برابر تار باندہ کر اُچھلتی رہیں یہاں تک
کہ ایک چکر بن جائے۔ کبھی فرش کے اوپر ادھر سے اُدھر تک لڑکتی ہوئی چلی جائیں
کبھی قلا بازیاں کھائیں غرض یہ ساری باتیں ایسی ہیں کہ لڑکیاں بخوبی کر سکتی ہیں

ان سے ہاتوں ٹانگوں اور تمام جسم میں بخوبی طاقت اور نہایت پھرتی آسکتی ہی۔ مگر
اس کام کے واسطے چھٹی کا وقت مقرر کرنا چاہیئے یہ نہیں کہ ہر وقت کھیل ہی میں
رہنے لگیں۔ ہر چیز کی زیادتی نقصان بھی پہنچایا کرتی ہی۔ اول اول تین روز تک جسم
دُکھے تو اُس کی پروانہ کریں برابر کیے جائیں۔ تین روز میں ساری تکان جاکر عادت
پڑجائیگی۔ ابتدا میں زیادہ مشقت نہ کریں۔ رفتہ رفتہ کثرت بڑھائیں۔ بڑی عورتوں کو
شام کے وقت بلاناغہ دو تین گھنٹے ٹہلنا ہی کافی ہی۔ یا گھر کا کام کاج۔ کیونکہ بچپن کے
زمانے کی محنت اُن کو جب تک کام دے سکتی ہی۔ گنواریوں کو دیکھو کھیت کیا ر
کرنے گُٹی کاٹنے۔ چکی پیسنے۔ چرخہ کاتنے۔ لیپنے پوتنے سے کتنی طاقت آجاتی ہے
کہ وہ چور تک کو مردانہ وار پکڑ لیتی ہیں۔ اور ایسے ویسے مرد کو تو کولی سے نکلنے بھی
نہیں دیتیں۔ ہولی کے دنوں میں اچھے اچھے زبردست جیں مان جاتے ہیں۔ شہر کی
عورتوں پر صرف غدر میں وقت پڑا تھا ہم نے دیکھا کہ دو قدم بھی اُن سے سیدھی
طرح نہیں چلا جاتا تھا۔ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی اور گر گر پڑتی تھیں۔ بچے تو در کنار رہے
اپنا آپا تک سنبھالنا دشوار تھا ایک روز کے رستے کو چار دن میں طے کیا مگر پھر بھی
مہینوں دم نہیں آیا۔ بہتیری اس تکلیف سے عاجز ہو کر کنوؤں میں گر پڑیں۔ بہتیریوں
نے زہر کھالیا۔ پیٹ والیاں پیٹوں میں مُکّے مار مار کر مر گئیں۔ بچے والیاں بچوں کو
گودیں لے لے کر کوٹھوں سے کود پڑیں اور اس طرح اپنی جانیں دیدیں۔ کیا کرتیں کبھی
گھر سے قدم اُنھوں نے نہیں نکالا۔ انگنائی میں گھنٹہ دو گھنٹے وہ نہیں پھریں بہت بڑی
مصیبت پڑی تو ٹُلکتی ٹُلکتی باورچی خانے میں ماما کے پاس جا بیٹھیں تاکہ بگھارنے میں
گھی یا گوندھنے میں آٹا نہ چُرالے۔ پس ان بیچاریوں کے پاؤں میں کہاں سے طاقت

آجاتی اور کیونکر بھرے چلنے کی عادت پڑتی۔ انھیں دنوں میں گاؤں کی عورتوں کو جو دیکھا تو وہ گود میں بچہ۔ سر پر چارپائی اُس پر گٹھری اوڑھنا بچھونا رکھے ہوئے ایسی بے تکان جا رہی تھیں کہ جیسے کوئی شہر کی نازک عورت ایک ڈیوڑھی سے نکل کر دوسری ڈیوڑھی میں جھپاک سے چلی جاتی ہی۔ آج کو شہر والیاں اپنے کو اتنا نازک نہ بناتیں اور ہات پیروں سے کام لیتی رہتیں تو کیوں ایسے نازک اور مصیبت کے وقت جنگلوں میں پڑتیں۔ منزل مقصود ہی پر پہنچکر نہ ٹھہرتیں۔؟ بعض وقت کی نزاکت بھی آدمی کو کھو دیتی ہی۔ لکھنؤ کے ایک نواب صاحب کا ذکر ہی کہ جب غدر میں سرکاری فوج شہر کے اندر گھسی تو اُن کے سارے نوکر چاکر آپ آپ کو بھاگ گئے اور وہ صرف لب فرش کھڑے ہوئے یہ راہ دیکھا کیے کہ کوئی آدمی آکر جوتی سیدھی کردے تو میں بھی باہر نکل چلوں حالانکہ حضور کی کفش مبارک سامنے رکھی ہوئی تھی۔ اخیر کو ایک گورے نے آتے ہی ایسا ہات مارا کہ حضرت کا سر اُن جوتیوں میں پیروں کے بجاے جا پڑا اور وہیں مارے گئے۔ اس بیان سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ آدمی کو دن بھر ورزش اور محنت ہی کرنا چاہیے نہیں تمام دن میں دو گھنٹے اس کے واسطے بھی کافی ہیں۔ ہر چیز کو اُس کے موافق کرنے سے نقصان نہیں ہوتا افراط سے خرابی پیدا ہوتی ہی۔

(۵) **اصول علوم طبعیہ** کی وہ ابتدائی باتیں جن کی بدولت قانون قدرت سے واقفیت ہو کر جہالت کی بنیاد دُور ہو ضرور سکھانی چاہئیں۔ کیونکہ عورت کے وہم اور جاہلانہ وسواس کی اصلاح۔ صانع حقیقی کی معرفت اپنے عجز کا اعتراف اشرف المخلوقات ہونے کا شکریہ اسی پر منحصر ہی۔ کارخانہ قدرت کی سیر حقائق

موجودات کا لطف جب ہی آتا ہے کہ جب طبیعتوں میں اتنا ملکہ پیدا ہوجائے کہ ہم اس کی قدرت کے تماشے علمی تحقیقات صحیح تجربوں اور عقل رسا کی نگاہوں سے دیکھنے اور اُس کی وجوہات کو سمجھنے لگیں یعنی خدائے تعالےٰ نے جو اشیاء موجودہ کو طاقت ۔ قدرت ۔ خاصیت بخشی ہے اُس کے دریافت کرنے کی عادت پڑے ۔

اگر ہم ہند کی عورتوں سے پوچھیں کہ بادل کیا چیز ہے ؟ بھونچال کیونکر آتا ہے ۔ اولے کس طرح بنتے ہیں تو اس کے سوا کچھ جواب نہ ملے کہ یہ سب خدا کی قدرت ہے اُس کے حکم سے برسات میں ابر آتا ۔ مینہ برستا اولے پڑتے ہیں ۔ اس لوگوں کے گناہوں کا بوجھ ہے جو زمین کے نیچے کی گائے کو سینگ بدلنے پر مجبور کرتا اور ہمیں ہلا مارتا ہے ۔ اس میں تو شک نہیں کہ یہ اُس کی قدرت ہی ۔ لیکن اگر وہ اس کے اسباب اور باعث کو سمجھ کر کہتیں تو ایک آنکھ سے چار آنکھیں ہوجاتیں اُس کی خدائی کو نظر غور اور کمال شوق سے دیکھتیں اور خود جان لیتیں کہ بادل درحقیقت وہ پانی کے ذرّے ہیں جو سورج کی گرمی سے بھاپ بن کر سمندر سے اُٹھتے اور ہوا پر اپنے ہلکے ہونے کے باعث روئی کے گالوں کی طرح اُڑے اُڑے پھرتے ہیں جہاں سرد مقام پر پہنچے یا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا سے مٹ بھیڑ ہوئی فوراً قطرے بن کر برس پڑے اور جو بہت ہی سردی کی جگہ جا پہنچے یا موسمی سردی نے وہیں جم جانے کے قابل خنکی پیدا کر دی تو جم کر اولے بن گئے اور گرتے وقت جس طرح ہوا کے باعث گول گول بارش کی بوندیں ہوجاتی ہیں اسی طرح یہ بھی کبھی جھاڑی بونٹی کے بیر کبھی آلو بن کر برسے

سردی کے موسم میں جب گھروں میں پانی جم جاتا ہی تو وہاں جہاں کوئی چیز ہوائے لطیف کے سوا ایسی نہیں ہی جو آفتاب کی گرمی کو اپنے کثیف جسم میں کچھ عرصے تک قائم رکھے۔ کیونکر نہ جم جاتا ہوگا۔ کل کی برف جو گلی گلی بے موسم ماری ماری پھرتی ہی اس کی کیا وجہ ہی۔ یہی باعث ہی کہ پانی کو انجن اور مصالحے کے ذریعے سے اس قدر سردی پہنچاتے ہیں کہ اُس کی سلیں کی سلیں جم جاتی ہیں۔ اگر خدا عقل دے تو مینھ کی کیفیت اپنے گھر کی ہنڈیا سے بھی معلوم کر سکتے ہیں۔ جس وقت پکتی ہنڈیا کے پانی میں سے پیندے میں آگ جلانے کے باعث بھاپ اُٹھتی ہی تو اُس کی کیسی بھوری بھوری شکل ہوتی ہی۔ جہاں وہ چپنی تک جو اُس کی نسبت ٹھنڈی ہی پہنچی اور پانی (پساؤ) بن کر ٹپکنے لگا۔ اگر ذرا سرد پہاڑوں جیسے شملہ منصوری نینی تال۔ وغیرہ پر جائیں تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ یہی بادل جن کے دَل کے دَل یہاں سے سفید اور رنگ برنگ کے دکھائی دیتے ہیں اصل میں پاس سے دیکھو تو بالکل مونھ کی سی بھاپ ہی جو سردی میں سانس کے ساتھ نکلا کرتی ہی صرف دُوری کی وجہ سے یہ شکل نظر آتی ہی ورنہ بادلوں کی شکل روئی کے گالوں سے اس قدر مشابہ نہیں ہی جس قدر ہمیں دُور سے دکھائی دیتی ہی۔

اسی طرح بھونچال کو سمجھ سکتے ہیں کہ اگر کوئی بچہ ایک آتشبازی کا گولہ زمین میں گاڑ کر آگ دیتا ہی تو اُس کے آس پاس کی زمین کس قدر لرز جاتی ہی جہاں سے ایک دفعہ ہی گندک کا پہاڑ پھٹ کر اُڑے گا وہاں کے پاس پاس کے ملک اور شہر کیوں نہ تھرتھرا جائیں گے۔ خدائے تعالےٰ نے دنیا میں آتش فشاں پہاڑ

بھی پیدا کیے ہیں جن میں سے بارہ مہینے آگ کے لئے اُٹھتے رہتے ہیں۔ اگر اُن پہاڑوں کے قریب جا کر دیکھو تو اُن میں سے گندک یا اور آتش گیر مادے کی برابر بو آتی ہی۔ جب کوئی نیا آتش فشان پہار خروج کرتا یا اس قسم کا مادہ بھڑک اُٹھتا ہو تو اُسی وقت قرب وجوار کے ملکوں میں زلزلہ آجاتا ہی۔ اب یوں کہو زمین میں آگ کہاں سے آئی سو یہ بات تو تم ہر وقت دیکھ سکتے ہو کہ جب زمین کھودتے ہیں تو اُس کے اندر سے گرم گرم تازی مٹی نکلتی ہی اس کے علاوہ زمین کی گردش بھی حرارت پیدا کرتی ہی۔ جہاں یہ حرارت بہت سی اکھٹی ہو گئی اور اُس نے زور دیکر نکلنے کا ارادہ کیا جون سی جگہ کمزور پائی وہیں سے ایک دفعہ ہی نکل گئی۔ پس یہی زور دنیا میں زلزلہ آنے کا باعث ہوا کرتا ہی۔ اب غور کرو کہ خداے تعالےٰ کی قدرت نے اس وقت زیادہ مزہ دکھایا کہ اُس وقت زیادہ لطف آیا تھا۔ اسی طرح اور سیکڑوں باتیں ہیں کہ ہم انھیں روزمرہ دیکھتے ہیں مگر مطلق خیال نہیں کرتے کہ یہ کیا تماشائے قدرت ہو رہا ہے۔ اس علم کا مزا ڈالنے کے واسطے بچوں کو ابتدا میں رسالہ طبعی تعلیم پڑھانا۔ اور ماں باپ کو اُس پر کاربند ہونا بڑا ہی مفید ثابت ہوا ہی۔ کچھ دام بھی زیادہ نہیں صرف چھ آنے میں اس علم کا مدرس ہات آتا ہی۔ اور شاید زیادہ اشاعت کے باعث کم قیمت میں بھی آنے لگے۔

(۶) اُصول حساب اس کا سیکھنا مردوں سے زیادہ عورتوں کو ضرور ہی۔ کیونکہ گھر کا سارا حساب کتاب لینا دینا انھیں کے ہات رہتا ہی۔ اکثر شادی و مہمانیوں میں جو کھلانے والے کا ٹھیک تخمینہ نہیں ہوا کرتا اور کبھی ضرورت سے زیادہ یا کم پک پکا جایا کرتا ہی اُس کا بڑا سبب یہی ہی کہ عورتیں حساب سے مطلق

ناواقف ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ ریاضی ایک ایسی چیز ہے جو ٹھیک ٹھیک دلیل کرنے اور جہل مرکب سے بچانے میں بڑی مدد دیتی ہے اس لیے اور بھی لازم ہوا۔ مگر ہم ریاضی کے اُصول ضرور ان کے کانوں میں ڈالدیں۔ حساب میں ابتدائے حساب جمع تفریق سے لے کر اربعہ متناسبہ تک اور روزمرہ حساب کے گر سکھا دینے واجبات سے ہیں۔ ریاضی میں کسیقدر اقلیدس۔ اُصول مساحت اور اول مساوات جبر تک پڑھا دینا کافی ہے۔

(۷) مفرد لغات کی واقفیت بھی صحیح الفاظ بولنے لکھنے پڑھنے اور مادہ لغت میں طبیعت لڑانے کے واسطے لازم وواجب ہے بلکہ اس امر کے لیے ایک لغات النساء کا چھپنا بھی ضرور ہے جو ہمارے پاس طیار اور اُس وقت کے آنے کی منتظر ہے۔

(۸) فن تحریر و اُصول تحریر یعنی انشا پردازی۔ یہ ایک ایسی ضروری چیز ہے کہ اگر آدمی اسے نہ جانتا ہو تو وہ کسی کام کا نہیں۔ کبھی اپنا مطلب اور دل کا حال حسب مرضی دوسرے پر ظاہر نہیں کر سکتا۔ جن لوگوں کو اس فن میں ملکہ ہوتا ہے وہ سخت سے سخت دلوں کو موم اور موم دلوں کے سخت پتھر بنا دینے پر قادر ہو جاتے ہیں۔ لومڑیوں کو شیر بنا کر میدان جنگ میں بھیجدینا اور شیروں کو زیر کر لینا ایسے ہی لوگوں کا کام ہوتا ہے۔ جب تک آدمی اس فن سے واقف نہو ممکن نہیں کہ وہ کہیں کی کیفیت اس طرح کہہ سکے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے اُس کا سارا سماں بندھ جائے۔ عورتیں جو ہمیشہ سے مظلوم چلی آتی ہیں اور اُن کے دل کا دُکھ درد ظاہر نہیں ہونے پاتا یا اُن کی اولاد اُن سے دُور ہو کر ان کی مادرانہ شفقت کو

بھول جاتی اور ان بے چاریوں کی مطلق خبرگیری نہیں کرتی یہ صرف اس فن کے نہ آنے کی وجہ سے۔ ورنہ کیا امکان کہ یہ چار حرف اپنے دل کی صحیح صحیح کیفیت اور مصیبت کے لکھیں اور وہ کارگر نہوں جن کی پر درد باتیں سنگیں دلوں کو رُلا دیتی ہیں کیا ان کی تحریر ایسی نہ ہوگی کہ وہ اپنا پورا پورا اثر دکھا دے۔ اس کے علاوہ عورتیں چونکہ اپنے خاوند کی رازدار ہیں اور نوکری پیشہ خاوند ہمیشہ پاس نہیں رہا کرتے اس وجہ سے اور نیز اس لحاظ سے کہ اگر آپ خود اپنے ماں باپ سے دور ہوں اور اُن پر اپنی مصیبت ظاہر کرنی چاہیں تو بخوبی لکھ سکیں اس فن پر سب سے زیادہ توجہ فرمائیں مگر اس فن کا لطف تاوقتیکہ تھوڑا تھوڑا سب ضروری علوم میں دخل نہو کما حقہ نہیں آسکتا جتنی باتیں ہم بیان کر رہے ہیں یہ سب اس قابل ہیں کہ اُنپر ایک ایک کتاب بنا کر عورتوں کی تعلیم کا سلسلہ تیار کیا جائے بالفعل اس امر کے واسطے انشائے ہادی النساء کے دونوں حصے جو خاص عورتوں کی زبان میں ہر عمر اور ہر طبیعت کی مستورات کے واسطے چھپ کر طیار ہوئے ہیں باہمی خط و کتابت سکھانے کو کافی ہیں۔

(۱) **علم ادب**۔ اگرچہ اس علم کی وہ کتابیں جو خاص عورتوں سے متعلق ہوں ابھی تک کمیاب ہیں مگر پھر بھی جس قدر کتابیں زمانہ حال کی ترقی نے طیار کی ہیں اگر اُن کا انتخاب کیا جائے اور نیک بیویوں کے قصے ترجمہ کیے جائیں تو بہت کچھ اس علم کا سرمایہ بہم پہنچ سکتا ہی مثلاً طبعزاد قصوں میں **مراۃ العروس** کے دونوں حصے **مجالس النسا** کے دونوں حصے **صورت الخیال** کے سب حصے (یہ کتاب بیاہی عورتوں کے مطلب کی ہی) چتر بھنیلی۔ توبۃ النصوح اور وقت کی کہانی

وغیرہ اور سچے قصوں میں ملکہ معظمہ کا سوانح عمری۔ بی ایلز بتھ فرائی اور ایلیس کا
تذکرہ اس قابل نہیں کہ آدمی اُسے نہ دیکھے۔ اخبار النسا رمیں ہمیشہ یورپ۔ ایشیا ر
کی مشہور عورتوں کے تذکرے چھپتے رہتے ہیں اُن کا دیکھنا ضرور اور واجب ہی بلکہ
مطبع ارمغان دہلی نے ارادہ کیا ہی کہ ان کو علیحدہ بھی چھاپ کرا سے ملک کو فائدہ
پہنچائے۔ یہ علم انشا پردازی کا ایک بڑا معادن ہے اس کے وسیلے سے ہر رنگ
میں آدمی عبارت لکھ پڑھ سکتا اور بہت سا تجربہ بہم پہنچا سکتا ہی۔

(۱۰) **اُصول تاریخ وجغرافیہ** جہاں عورتوں کے واسطے اور علوم کے
اُصول سے واقفیت ضرور ہی وہاں تاریخ وجغرافیہ کے معلوم ہونے سے جو فائدے
حاصل ہوتے ہیں وہ بھی بطور خلاصہ سمجھا دینے واجب ہیں تاریخ کیا ہی گزرے
ہوے بادشاہوں عالموں کاملوں اور دیگر نامور آدمیوں کا تاریخ وار ذکر ہی جس
کے وسیلے سے آدمی کو زمانے کی ترقی اور تنزل کا ٹھیک حال معلوم ہوتا اور
حسن خلاق و درستی افعال کو بہت بڑی مدد پہنچتی ہی۔ جن لوگوں کا تاریخوں میں ذکر
ہی وہ گویا ہمارے سامنے موجود ہیں اور ہمیں اپنے افعال کے نتیجے دکھا رہے
ہیں کہ دیکھو ہم نے ایسا کیا تو ایسا ہوا تم بھی ایسا کرو گے تو ایسا ہی ہوگا۔ تاریخ صرف
اخلاق ہی میں مدد نہیں دیتی بلکہ بادشاہوں کو انتظام ملک اور عام لوگوں کو انتظام
خانہ داری سکھاتی ہی۔ یہ تاریخ ہی کا تصدق ہی کہ ہم آج تک اسے بزرگوں پیشواؤں
اور رہنماؤں کو یاد کیے جاتے اور اُن کی پیروی سے آنکھ بند کیے سیدھے رستے
پر چلے جاتے ہیں۔ تاریخ قانون الٰہی کا ایک ایسا عمدہ نمونہ ہی کہ اس سے بہتر ممکن
نہیں اگر تاریخ ممدِ اخلاق نہ ہوتی تو آسمانی کتابوں کو اگلے قصص اور حکایات سے

کچھ تعلق نہ ہوتا۔ تاریخ کے ذریعے سے ہم اپنی ابتدائی حالت بخوبی معلوم کر سکتے اور خدائے لایزال کی قدرتوں کے سچے مقر ہو سکتے ہیں۔ ایک حساب سے تاریخ ہماری زندگی میں بھی بہت بڑی مدد دیتی ہی وہ کس طرح؟ اس طرح پر کہ ایک آدمی اپنی عمر میں کبھی ساری چیزوں کا تجربہ حاصل نہیں کر سکتا مگر ہاں اگلے لوگوں کے تجربوں سے بوسیلہ تاریخ وکتب فائدہ اُٹھا سکتا ہی۔ پس گویا اُس کی عمر کا حصّہ بھی ہم کو مل جاتا ہی۔ لیکن تاریخ کا علم تا وقتیکہ اُس کے ساتھ جغرافیہ نہ معلوم ہو کچھ تسلی نہیں بخشتا کیونکہ جغرافیہ متمم تاریخ ہی۔ جغرافیہ کے بغیر ہم نہیں جان سکتے کہ زمین کتنی ہی اس پر کتنے ملک آباد ہیں۔ کہاں کہاں سمندر ہی۔ اور کہاں کہاں خشکی اور جزیرے اور کا ملک کدھر ہی ڈھمکا کس طرف؟ وہاں کی آب وہوا اور آدمیوں کی کیا خاصیت ہی اُن کا طریق معاشرت کیا ہی اور کیا پیداوار ہوتی ہی۔ تاجروں کے لیے کونسا مقام اچھا ہی۔ سیّاحوں کے واسطے کون سا۔ کہاں آزادی ہی کہاں پابندی۔ ہم جو تاریخ میں نامور لوگوں کا ذکر دیکھ رہے ہیں۔ یہ کس ملک کے ہیں اور وہ ملک ہمارے ملک سے کس طرف ہی۔ اگر ہم کو جغرافیہ سے واقفیت نہ ہوگی تو ہم کبھی یقین نہیں کر سکتے کہ یہ تاریخی واقعات جو ہم پڑھ رہے ہیں واقع میں سچ ہیں یا جھوٹ نہ تو ہم کو اخبار ہی کا لطف آئیگا اور نہ جہان کی واقفیت ہی حاصل ہوگی۔ اس کے ساتھ ملکوں کے نقشوں کا بھی ذہن نشین ہونا ضروریات سے ہی ان کے ذریعے سے ہم پہاڑ۔ دریا۔ ریگستان۔ صحرا۔ سڑک۔ رستہ۔ سمت۔ جنگل وغیرہ معلوم کر سکتے ہیں۔ بلکہ ایک وقت کوئی رہنما نہ ہو تو ہم خود بھی نقشوں کے وسیلے سے سفر کر سکتے ہیں۔ اگرچہ تاریخ اور جغرافیہ کے فائدے حد سے زیادہ ہیں اور اول میں اہل عرب نے ان دونوں

باتوں کی بڑی قدر کی ہی مگر ہم اس مختصر میں اس کی پوری پوری کیفیت نہیں لکھ سکتے البتہ تعلیم نسواں کے سلسلے میں ان کا مفصل ذکر مع تمثیل بیان کیا جاے گا۔

(۱۱) **اصول نقاشی** چوں کہ عورتوں کی طبیعت مردوں کی بنسبت سلیم حلیم۔ بردبار اور نظر نہایت غائر ہے اس وجہ سے ان کو ایسے باریک کام سکھانے اور دل بہلانے کے واسطے ضرور متوجہ کرنا چاہیئے یہ شغل ایسا عمدہ ہی کہ اسمیں ذرا طبیعت نہیں اُکتاتی جیسے عمدہ بیل بوٹے عورتیں کاڑھ سکتی ہیں مرد نہیں کاڑھ سکتے۔ انگلستان میں کوئی عورت ایسی نہیں جو اپنے گھر کے سامان آرائش کے علاوہ نمائشوں اور بازاروں میں فروخت کرنے کی خاطر اپنے ہات کا کام کر کر کے جمع نہ کرتی جاتی ہو۔ اگرچہ اس میں انھیں اپنی محنت کا پورا پورا صلہ نہیں ملتا اور اُن کی قیمت حسب دل خواہ نہیں اُٹھتی مگر وہ اس ہنر کو ترک کرنا ہرگز پسند نہیں کرتیں بڑی بڑی امیرزادیاں اس طرح کمائی اور نیک کاموں کے وقت بڑی دھوم دھام سے اپنی ذاتی کمائی سے چندہ دیتی ہیں۔ اس کی ایک نظیر ہم یہاں بھی دیتے ہیں جس وقت شملے پر رپن ہوسپٹل[1] لارڈ ڈفرن صاحب بہادر وایسراے ہند نے کھولا اور وہاں مختلف صاحبان عالیشان نے اُس کے چندے اور انجنیر کی محنت کا حال بیان کیا تو ایک صاحب نے یہ بھی اُٹھ کر کہا کہ اس اسپتال میں ولیڈیوں نے بھی خاص اپنی ذاتی کمائی سے معقول چندہ دیا ہی مگر وہ اپنا نام ظاہر ہونا پسند نہیں فرماتیں گو اس وقت موجود ہیں۔ لیکن میں اُن کے چہرے سے یہی معلوم

[1] لارڈ رپن صاحب کا یادگاری شفاخانہ جوان کے سامنے بننا شروع ہوا تھا اور جانے کے ایک برس بعد کھولا گیا [2] میر عمارت جس نے اس کا نقشہ طیار کرنے کے علاوہ عمارت میں برابر توجہ مبذول رکھی۔ ۱۲

کر رہا ہوں کہ وہ اسی میں تھوڑی ہوئی جاتی ہیں سُگھڑ عورتوں کے حق میں دستکاری۔ خانگی صنعتیں اور مختلف ملکوں کی کڑھتیں ایک عمدہ جوہر ہے۔ انگریزی میں تو اس فن کی کتابیں بھی موجود ہیں مگر افسوس اُردو میں ابھی تک اس ہنر کی کتابیں نہیں طیار ہوئیں۔ بلا سے ان کا ترجمہ ہی ہو جائے تو بالفعل ایک بنیاد تو قائم ہوا اور آگے کو رستہ تو چلے۔ جب اس قسم کی کتابیں سمجھنے کا اُن میں مادہ ہو جائیگا تو آئندہ کو اس فن کی اُستانیوں کی بھی چنداں ضرورت نہ رہے گی اور ہندوستان کی تمام امیر و غریب زادیاں اس شغل میں لگی رہیں گی۔ عورت کے واسطے بے شغلی سے بڑھ کر کوئی آفت نہیں۔ انگریزیوں کا قاعدہ ہے کہ وہ سواری پر رستہ میں اور جب کسی سے ملنے جلنے جاتی ہیں تو وہاں بھی اپنا شغل اپنا کام ساتھ ہی لیے جاتی ہیں۔ کوئی موزے بُنتی ہے کوئی سلیپر کاڑھتی ہے۔ کوئی کتاب ہی ہر وقت ساتھ رکھتی ہے غرض بے کاری سے بُرا وہ کسی امر کو نہیں سمجھتیں اور یہی بات اُن کی قومی ترقی کا ایک بہت بڑا اصول ہے۔

(۱۲) **اصول قانون** یعنی حاکم وقت کے اُن قوانین سے واقفیت جن سے روزمرہ کام پڑتا رہتا ہے۔ اس واقفیت کے باعث عورتیں امن میں رہنے کے علاوہ اپنے حقوق سے بھی باخبر رہتی ہیں۔ ہندوستان میں آج تک کوئی عورت نہیں جانتی کہ اس حکومت میں لونڈیوں باندیوں کا خریدنا یا اُن پر جبر و سختی کرنا قانون کے خلاف ہے اور نہ وہ لونڈیاں ہی جانتی ہیں کہ ہم آزاد ہیں جس وقت چاہیں اُن کے جور و ظلم سے نکل کر علیحدہ ہو سکتے ہیں۔ کسبیاں جو اکثر غریبوں کی چُرائی ہوئی لڑکیاں خرید لیتی اور انھیں بُرے رستہ پر لگا لیتی ہیں اگر وہ

لڑکیاں اس قانون سے واقف ہوتیں تو ہر وقت اس گناہ سے بچنے کی مجاز
تھیں اسی طرح بعض اوقات حالت تلاشی خواہ قرقی وغیرہ میں جو پولیس یا کچہری
کے سپاہیوں سے زیادتی ہوتی ہے وہ نہ ہونے پاتی اور یہ برابر ایسے لوگوں پر
دعوی کر کے انھیں سزا دلوا سکتیں اس ناواقفیت ہی باعث اکثر عورتوں
کی پردہ دری ہوتی اور وہ اپنی چارہ جوئی سے باز رہتی ہیں۔ بلکہ بعض جاہل خاوندوں
کی ناجائز سختیاں جھیلتی اور اپنے حقوق سے محروم رہ جاتی ہیں۔ اگر کوئی خیر خواہ
ملک یا خود سرکار عورتوں کے متعلق قانون کا ایک علیحدہ مختصر رسالہ چھاپ کر
مشتہر کر دے تو اپنے ملک اور اس مظلوم گروہ پر بہت ہی بڑا احسان فرمائے بلکہ
اس رسالے میں ریلوے قانون متعلقہ نسواں کے بھی کچھ اُصول ضرور ہوں جس
سے وہ بیچاریاں ملازمان ریلوے کے اُن ظلموں سے بھی بچیں جو خاص اسٹیشنوں
پر اُن کے ساتھ علیحدہ ہونے کی حالت میں کیے جاتے ہیں اور اس قسم کی خبریں
برابر اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں۔ تاوقتیکہ عورتوں کو علم نہ سکھایا جائے وہ
ان ظلموں سے نہیں بچ سکتیں۔ ہاں جب علم عام ہو جائیگا تو ہمیں اس قسم کی
کتابیں پڑھانے کی ضرورت نہ رہیگی وہ خود اپنے مطلب اور حقوق کے واسطے
سرکاری قانون کو دیکھا کریں گی۔

(۱۳) باغبانی۔ تفریح دل کے واسطے گھڑی دو گھڑی گھر میں طرح
طرح کے پھولوں کا لگانا اُن کی خبر گیری کرنی خالی از فائدہ نہیں اس سے موسم
کی پہچان۔ درختوں کا رکھ رکھاؤ جس سے اطفال کی محافظت کے واسطے ایک
عمدہ مادہ پیدا ہو حاصل ہو جاتا ہے۔ آنکھوں کو طراوت نظر کو بصارت عقل کو رسائی

طبیعت کو فرحت۔ دق والے کو صحت۔ گھر کو زینت اس شوق کے طفیل نصیب ہوتی ہی۔

(۱۴) غنائے مباح۔ یہ چودھویں بدیا ایسی نہیں اسے سنکر تمام ملک ہمارا مخالف نہ ہوجائے اور چاروں طرف سے ہمارے اوپر فقط سُرخی کو دیکھکر طعنے نہ پڑنے لگیں مگر چونکہ اپنی رائے کا ظاہر کردینا ہمارے اوپر فرض ہی اور اس غنا سے ہماری وہ غنا مراد نہیں ہی جس سے پرہیز کرنا واجب ہی اور نہ ہم یہی ہدایت کرتے ہیں کہ تمام لوگ ہمارے کہنے پر چلیں۔ یا ہماری رائے کو درست سمجھیں پس عجب نہیں جو ہمارے اہل وطن اس معذرت کو قبول فرماکر اپنے قلم کو روکیں اور ہمیں اس مباحثہ کی تکلیف نہ دیں کہ جس کے باعث جو کام ہم کررہے ہیں اُس میں توقف ہو۔

یہ صرف کہاوت ہی نہیں ہی کہ رونا اور گانا کسے نہیں آتا بلکہ ایک قدرتی خاصہ اور فطرتی حصہ ہی جو خدائے لایزال کے خوان نعمت سے روح کی غذا اور اُس کی تن درستی کے واسطے عطا ہوا ہی۔ جس طرح دماغ خوشبو سے آنکھیں رنگ برنگ کے پھولوں اور سبزے سے۔ کان آواز خوش سے مسرت حاصل کرتے ہیں اسی طرح روح لَے سے لہراتی اور خوش ہوتی ہی۔

پنہاریاں گانے کے سرور میں منوں بیں ڈالتی ہیں اور ذرا نہیں تھکتیں کسان بارے لے لے کر سارا کنواں خالی کردیتے ہیں اور کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ کاریگر گانے کی دُھن میں اپنا کام آسانی سے کرکے فارغ ہوجاتے ہیں اور کچھ کسل نہیں ہوتا۔

عرب کے بدّو اونٹوں کو حُدی کی چاٹ پر لگا کر کوسوں لے جاتے اور اُن کی بساط سے زیادہ بوجھ اُٹھوا لیتے ہیں سپیرے پونگی بجا کر سانپ جیسے ظالم کو اپنا فریفتہ کر لیتے اور اُس سے ٹکا کما کر کھاتے ہیں۔ خوش گلو آدمی جس وقت جہاں غنغنا تا یا الاپتا ہی فوراً ہمارے کان ہمارا دل اُس طرف متوجہ ہو جاتا ہی۔ کبیر داس نے اپنے بھجن صرف گانے کی لئے میں بنا بنا کر ملک میں کیسی وحدت پھیلائی یہاں تک کہ ایک پنتھ[۲] ہی نکل آیا۔ اگلے حکیموں نے ان سروں ہی کے باعث کیا کیا کرشمے دکھائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی لحن مبارک سے بہتے دریا اور اُڑتے پرندوں کو ٹھہرایا۔ مصری لہجہ کی قرآن خوانی کیسا لطف دکھاتی اور کیسا اثر پیدا کرتی ہی۔ قرارت میں قرآن مجید پڑہنا کیسی حلاوت بخشتا ہی۔ اسی طرح اگر عورتیں تنہائی کے وقت مناجاتیں خوش آوازی سے پڑھیں۔ یا ان شادی اور ساون بھادوں کے گیتوں کے بجائے نصیحت کے گیت گائیں تو کیا مضائقہ ہی۔ اگلے زمانے میں لوگوں نے صرف گانی کے وسیلے بعض مریضوں کو اچھا کیا ہی۔ نہ دوا پینے کی تکلیف دی اور نہ مسہل ہی دے دے کر گھُلایا۔ شام کو دل تازہ کرنے اور دن بھر کی تکان اُتارنے کے واسطے اس سے بہتر ٹوٹکا نہ ہوگا۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ کہار دن بھر تو پینس اور ڈولی اُٹھاتے ہیں مگر رات کو آرام کرنے کے بجائے پہروں خوب گاتے اور سارا محلہ جگاتے ہیں۔ اُن کا قول ہی کہ ہماری تکان اسی سے اترتی ہی۔ حکیموں نے تازگی رُوح کے

[۱] وہ گیت جو عرب کے ساربان اونٹوں پر بھاری بوجھ دیکھکر گاتے اور اسکے سرور میں مست ہو کر بہ آسانی لے جاتے ہیں۔ ۱۲ [۲] پنتھ یعنی مذہب و فرقہ ہندی میں مستعمل ہی۔ ۱۲

علاوہ اس میں دو فائدے اور بھی ثابت کیے ہیں ایک تو یہ کہ پھیپڑا جس پر سانس کا مدار ہے اس سے قوت اور زور پکڑتا ہے۔ دوسرے کان آواز کا فرق اچھی طرح تمیز کرنے لگتے ہیں اور ہمارے نزدیک مصیبت بھی خوب گھٹتی ہے حالت غم یا فکر میں آدمی غنغنائے تو اُس کے دل کا بہت سا بوجھ اور فکر ہٹ جائے بلکہ طبیعت اصلاح پر آکر اُس کے دفعیہ کی تدبیر نکال لے۔ اگرچہ یورپ میں جہاں اور علم و ہنر عورتوں کو فرض سمجھ کر سکھائے جاتے ہیں وہاں علم موسیقی کا سکھانا بھی داخل تعلیم اور معاون صحت ہے مگر ہمارے ہندوستان میں اس کی ضرورت اس وجہ سے نہیں کہ یہاں ایک ایسی قوم نے اس پیشے کو اختیار کر رکھا ہے کہ جس سے غنا داخل عیب و گناہ ہو گیا اور داخل عیب و گناہ ہونے کا باعث یہ ہے کہ ان لوگوں نے اس کو سرمایہ عشرت و روزگار خیال کرکے اُس کے ساتھ ناچنا اور ہتانا جو خلاف فطرت کے علاوہ ایک غیر مہذب اور نازیبا فعل ہے اختیار کر لیا چوں کہ اجلاف قوموں نے غنا کو فریفتہ کرنے اور رجھانے کا ذریعہ بنا لیا ہے جسے ادنےٰ سے ادنےٰ اشراف اور غریب سے غریب غیرتمند بھی پسند نہ کرے گا۔ اس وجہ سے ہم بھی معیوب خیال کرتے ہیں۔ مگر ہاں قدرتی طور پر دل بہلا لینے میں کچھ حرج نہیں بلکہ فائدہ ہی متصور ہے۔

ہندوستان میں اس کی ابتدا ہی صرف دیوتاؤں اور پیشواؤں کے رجھانے اور خوش کرنے کے واسطے ہوئی تھی چنانچہ جس قدر بھجن ہیں وہ سب راگ سے خالی نہیں بلکہ جینی فرقے کے لوگ تو اب بھی اپنے پیشوا کی مورتی کے سامنے ناچتے اور گاتے ہیں اور ہماری قوموں میں امیروں سے غریبوں تک میں ابھی تک اس کا رواج چلا جاتا ہے

مولوی صاحب یہ چودہ باتیں بیان فرماکر نواب صاحب اور تمام عورتوں کی طرف پھر مخاطب ہوے اور کہا کہ حضرت میری راے میں تو عورتوں میں اتنی باتوں کا ہونا ضروریات سے ہی رہی اخیر بات اس کا ابھی وقت نہیں اس کے واسطے بہت مدت چاہیئے مگران باتوں کا کان میں پڑا رہنا اخیر کے واسطے ایک مادہ پیدا کرتا اس لیے بہ سبیل تذکرہ غنا کا بھی ذکر آگیا تاکہ کوئی شک باقی نہ رہ جاے۔ اب ہمارے ملک کے مصلحوں کو واجب ہو کہ یا تو وہ خود عورتوں کی تعلیم کے واسطے ان چودہ اصولوں پر ایک سلسلہ طیار کریں یا ہماری مدد فرمائیں کہ ہم ہر علم مذکورہ میں ایک ایک مختصر رسالہ تیار کر دیں جس سے عورتوں کی تعلیم کی ایک پختہ بنیاد پڑجائے اس پر نواب صاحب اور تمام عورتوں نے بالاتفاق فرمایا کہ حضرت ہمارا دل تو یہ چاہتا ہو کہ آپ پہلے اس فسانہ راحت ہی کو علیحدہ کتاب کی صورت میں چھپوا دیں کیونکہ جن علموں کا آپ سکھانا چاہتے ہیں اول تو اس میں آپ نے خود ہی کچھ کچھ اُن کی تعلیم کردی ہو۔ دوسرے ہم لوگوں کو جو اپنے وقت کی قدر نہیں اور جس کے باعث ہم کوئی ہنر حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ عیب نکالنے کے واسطے اس سے بہتر کوئی قصہ نہیں۔ یہ باتیں سُنکر بی راحت زمانی نے کہا۔ مولوی صاحب میرے واسطے تو آپ حسب وعدہ انضباط اوقات بنا دیں بلکہ اُس کے ساتھ اُس کے فوائد بھی بیان کردیں تو میری سب بہنوں کو خواہ وہ اس وقت موجود ہوں یا نہوں ہمیشہ فائدہ پہنچتا رہے اور وہ اُس کے موافق اپنے اوقات کو تقسیم کر کے برابر ترقی کرتی رہیں۔ مولوی صاحب نے یہ بات بھی منظور فرمائی اور کہا کہ اچھا کل انضباط اوقات ہی پر تمھیں ایک تقریر سُناؤں گا اور اُس کے بعد اس کتاب کو ختم کر دونگا

دعا مانگو کہ خدا اس کے علیحدہ چھپنے کے قابل از غیب سے کوئی مدد بہم پہنچا دے اور تم بھی اس میں مدد کرو۔ چنانچہ اُسی وقت ہر ایک عورت نے علیٰ قدر مراتب اپنا گلا بند ہا کر دینے کا وعدہ کیا۔

انضباطِ اوقات

میری پیاری سگھڑ دل دے کر سُننے اور اُس پر عمل کرنے والی بیٹی راحت زمانی بیگم! میں نے کل تم سے وعدہ کیا تھا کہ اب مجھے صرف تقسیم اوقات کا طریقہ بتا دینا اور رہا ہے۔ کیونکہ پابندی کے بغیر کوئی کام پورا درست اور اپنے وقت پر نہیں ہوتا ہے۔ جب قدرت کے تمام کارخانے ایک انتظام پر مبنی ہیں تو ہم بھی کیوں نہیں اپنے کاموں کا انتظام سوچیں اور اس کے موافق عمل کریں۔ اس بیان سے پیشتر میں تم کو محنت پر آمادہ کرنے اور مشقت سے نہ تھکانے والی چند باتیں بطریق نصیحت سُنا دینی مناسب جانتا ہوں۔ بہ شرطیکہ تمھاری اماں جان اور حسبنی شریف زادیاں اس وقت موجود ہیں وہ مجھے اجازت دیں۔ اس کلمے کے سُنتے ہی سب نے متفق الکلمہ ہو کر بیان کیا کہ آپ باشوق فرمائیں ہم سُننے اور عمل کرنے پر مستعد ہیں۔ آپ چند روز میں خود دیکھ لیں گے کہ آپ کے ان بیانوں سے ہم میں کیا اثر پیدا ہوا۔ اور ہم نے کیسی لیاقت بہم پہنچائی۔ اس سے مولوی صاحب اور بھی خوش ہوئے اور اُنھوں نے اس طرح پر تمھید اُٹھائی۔

بیویو! اگر ذرا غور سے دیکھو تو تمھیں معلوم ہو جائے کہ خدائے تعالےٰ نے انسان کو سب سے زیادہ آرام و راحت کا زمانہ بخشا ہے۔ یعنی اگر دو حصّہ آرام دیا ہے تو ایک تہائی محنت کا زمانہ بھی اپنی فرمانبرداری آزمانے قدرت

دکھانے عطا شدہ مادے کو کام میں لانے کے واسطے مقرر کر دیا ہے۔ اب اگر ہم اس تھوڑے سے زمانے میں بھی محنت گوارا نہ کریں تو حیف ہی ہمارے بندہ ہونے پر۔ پیدا ہونے سے پیشتر ہمیں وہ آرام تھا کہ اب تک کچھ خبر نہیں۔ ہم کہاں تھے کیا تھے اور کیا سے کیا ہوئے۔ اسی طرح مرنے کے بعد جب ہمارا جسم رُوح سے یا رُوح جسم سے جُدا ہوگی ہم نہیں جانتے کہ پھر ہمیں کیا تکلیف ملے گی۔ بہ ظاہر یہ دونوں زمانے نہایت آسایش و آرام کے زمانے ہیں۔ درازی بھی ان کی اس قدر ہے کہ ہم اُس کا حساب نہیں لگا سکتے اس سے ثابت ہوا کہ صرف دنیا میں آنے کا زمانہ ہمارے واسطے محنت و مشقت کا زمانہ ہی جس کی تعداد زیادہ سے زیادہ سَو سوا سو برس اور اوسط کم ساٹھ سال پھیلتی ہی۔ بلکہ نظر انصاف سے دیکھیں تو اس میں سے بھی ہمیں آرام کے لیئے بہت سا وقت مل جاتا ہی مثلاً بچپن کا زمانہ یا اخیر بڑھاپے کا وقت اس کے علاوہ جوانی کی عمر بھی ہماری ساری محنت میں نہیں گزرتی اگر ہم بہت بڑی محنت کریں تو شاید چودہ گھنٹے یعنی رات دن میں دس بارہ گھنٹے کر سکتے ہیں۔ گویا اس شب و روز میں سے بھی آدھا وقت ہمارے آرام میں صرف ہو جاتا ہی۔ پس اس سے معلوم کر سکتے ہو کہ محنت کا زمانہ ایک تیسرا حصہ بھی نہیں۔ چھٹا حصہ اور وہ بھی بڑے محنتی کے واسطے ہی۔ کیونکہ متوسط محنت کرنے والے کے حق میں تو اس سے بھی آدھا سمجھو یعنی صرف چھ گھنٹے گویا بارھواں حصہ محنت کا اور باقی سب وقت راحت کا ہوا۔ ان حسابوں صرف تمہارا ہی تمام راحت زمانی نہیں ہی بلکہ تمام انسان اس راحت میں شریک اور مشترک ہیں جو لوگ تمہارے اوپر ہنسیں اُن کو سب سے پہلے اپنے اوپر ہنسنا چاہیے تم نے تو

اپنے وقت کا اس قدر خیال بھی کیا مگر میں دیکھتا ہوں کہ بہت سی عورتیں دنیا میں اور خاص کر تمہاری دہلی میں ایسی موجود ہیں جنھیں کھانے پینے سونے ہنسنے اور باتوں میں وقت ضائع کرنے کے سوا کچھ نہیں آتا۔ میں حیران ہوں کہ وہ خدا کو کیا جواب دیں گی۔ اصل میں یہ محنت اُس آرام کی زکوٰۃ ہے جو خدائے تعالےٰ نے ادنیٰ اعلیٰ تمام مخلوقات کو بخشی ہے۔ تم جانتی ہو زکوٰۃ کا نہ دینا فرض کا ترک کرنا ہے پس جو شخص خدا کا فرض ترک کرے وہ گناہگار اور قصوروار ہے یا نہیں؟ سب نے کہا بے شک وہ خدا کا بھی چور اور اس کے رسول اور بندوں کا بھی خطاوار۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ بس تو اب تم اپنے وقت کو اس طرح تقسیم اور منضبط کرسکتی ہو کہ روز صبح چار بجے سے اُٹھنے کی تیاری کرو۔ پانچ بجے تک حاجات ضروری وضو اور نماز سے فارغ ہوجاؤ۔ چھ بجے تک برابر ٹہلو۔ پھولوں کے گملوں یا کیاریوں کی اپنے ہات کے لگائے سبزے کو دیکھ دیکھ کر دل کو تازگی آنکھوں کو طراوت ذہن کو رسائی بخشو۔ جوہیں چھ بجیں قرآن شریف لے کر بیٹھ جاؤ سات بجے تک برابر پڑھتی رہو اور یاد کرتی رہو جس وقت سات بج چکیں قرآن شریف کو گردان کر رکھ دو۔ اس کے بعد اخلاق یا علم ادب کے متعلق کوئی کتاب برابر ڈیڑھ گھنٹے تک دیکھو ساڑھے نو بجتے ہی لکھنے بیٹھ جاؤ پورے ایک گھنٹے اس کی مشق کرو جب ساڑھے دس ہوجائیں تو اس کو بھی چھوڑ کر کھڑی ہوجاؤ ذرا طبیعت کو آرام دے اور مونھ ہات دھو کر کھانا نوش جاں کرو خوب لیٹو پوٹو اور اخبار دیکھو جب طبیعت پھر تازہ ہوجائے تو نماز ظہر کی طیاری کرو۔ جس وقت اس سے فارغ ہوجاؤ تو دو بجے تک باری باری سے کوئی ہنر مثلاً سینا۔ کاڑھنا۔ نقاشی وغیرہ سیکھو اور

اور اس میں کامل دو گھنٹے صرف کرو جب چار بجیں تو نماز عصر پڑھ کر اپنے ہات سے
کوئی عمدہ کھانا پکاؤ یا پکاتے ہوئے دیکھو پانچ یا ساڑھے پانچ بجے تک اس میں
مشغول رہو جب اس سے فراغت پاؤ تو باقی جس قدر وقت بچے وہ شام کی
ورزش میں صرف کرو خوب کھیلو کودو دوڑو پھاندو یا جو کھیل ہم نے ریاضت کی
بابت خاص عورتوں کے متعلق اوپر بیان کیے ہیں ان پر عمل کرو پھر مغرب کی
نماز پڑھ کھانا کھا ذرا لیٹ پوٹ کر چراغ کے سامنے کل کے واسطے مطالعہ
دیکھنے بیٹھ جاؤ یا کوئی عمدہ تذکرہ و اخبار لے بیٹھو عشا کی نماز پڑھ لو تو بے فکری
سے پاؤں پھیلا کر سو رہو اور پھر حسب معمول اُسی وقت اُٹھو جو تمھیں اوپر بتایا گیا
ہی۔ قرآن شریف علم ادب و اخلاق کا گھنٹہ تو نہ بدلو مگر باقی گھنٹوں کو روز بدلتے
جاؤ۔ مثلاً آج عبارت لکھی خط کی مشق کی تو کل حفظ صحت کے متعلق کوئی رسالہ
پڑھا پرسوں تاریخ دیکھی اترسوں جغرافیہ پڑھا۔ ملکوں کا نقشہ ذہن میں جمایا۔ غرض
اسی طرح سب چیزوں کے وار باندھ لو۔ میرے نزدیک یوں حساب پھیلا لو تو
اور بھی اچھا ہی کہ چھ گھنٹے روز بلا ناغہ تعلیم کے مقرر کر لو اس حساب سے مع تعطیل
ہفتہ کے ۳۶ گھنٹے ہوتے ہیں اور آرام کرنے نہلانے دھونے کپڑے بدلنے کا
بھی ایک دن نکل آتا ہی۔ پس تم ہفتے میں چھ گھنٹے بلا ناغہ قرآن شریف ایک
گھنٹہ روز کے حساب سے پڑھو۔ نو گھنٹے کتب اخلاق و آداب ڈیڑھ گھنٹے
روز کے معمول سے دیکھو۔ تین گھنٹے انشا پردازی عبارت نویسی خطوط خوانی
وغیرہ میں ایک دن بیچ کر کے وار سے صرف کرو۔ تین ہی تین گھنٹے اسی طرح
حساب روزمرہ سلیقہ خانہ داری جیسے سینے پرونے کترنے بونے پکانے

رہنے میں خرچ کرو۔ ہفتے میں دو گھنٹے یعنی تیسرے روز ایک گھنٹے کے
عنوان سے کتب طب اُصول صحت پرورش اطفال کے طریقوں میں نیک لگاؤ
دو ہی گھنٹے اصول نقاشی میں جس میں طرح طرح کے پھول کاڑھنے بیل بوٹے
بنانے شامل ہیں صرف کرو۔ ہفتے میں ایک گھنٹہ مختلف بادشاہوں کی تاریخ کا
اور ایک ہی ایک جغرافیہ مع ایک نقشہ کا ایک دینی مسائل متعلق بہ مستورات
کا ایک فلسفہ اور طبعیات کا جس سے صنعتِ باری کی کیفیت معلوم اور پردہ
غفلت و توہم دور ہو رکھو۔ ایک گھنٹہ اُردو صرف و نحو کا ایک فارسی صرف و
نحو کا مقرر کر لو۔ اگرچہ لائق اُستانیاں یہ باتیں روزمرہ سبق میں ساتھ کے ساتھ
ذہن نشین کر دی جاتی ہیں۔ مگر اُصول علیحدہ پڑھے بغیر نہیں آتے ہاں مشق کی
ترکیب سبق میں بتاتے جانے سے بہتر نہیں ہے۔ ایک گھنٹہ سرکاری قانون میں بھی
جو خاص عورتوں سے تعلق رکھتا ہو صرف کرو۔ اور ایک گھنٹہ مناجاتوں کے
گیت گانے یا نظم پڑھنے کا تجویز کرو جس سے بی راحت صاحبہ تمھاری ساری
محنت اور کلفت راحت سے مبدل ہو جایا کرے۔ قومی ترقی خواہوں اور تمھارے
دردمندوں بلکہ دل سوزوں پر فرض ہے کہ وہ تمھارے لیے کھاوتوں کی طرح
اخلاق و پند محبت الٰہی کے عجز و انکسار میں ڈوبی ہوئی نظم اور مناجاتیں طیار
کر دیں۔ حکیموں کے قول نکتے حکمتیں ترجمہ کر کے چھوٹے چھوٹے نظمیہ رسالے
بنا دیں۔ ان میں خدا کی قدرت اور فطرتی کیفیتوں کا سما باندھیں۔ رزم و بزم کی
تصویریں کھینچ دیں چوں کہ ابھی تک اس قسم کی سب کتابیں دستیاب نہیں ہو سکتیں
اس وجہ سے میں اُن کا نام لکھ کر کوئی نقشہ (ٹائم ٹیبل) نہیں بنا سکتا۔ لیکن اس

حساب سے تم آپ بنا سکتی ہو کیونکہ خدا تعالے نے تم لوگوں میں مادۂ اخذ ایسا عطا
فرمایا ہی کہ وہ مردوں میں نہیں ہی اور اس کا ثبوت اخبار النساء کے ابتدائی پرچوں
میں بخوبی موجود ہی۔

جب مولوی صاحب انضباط اوقات اور اُس کی تقسیم بتا چکے تو بعض عورتوں
نے کہا کہ حضرت یہ باتیں تو آپ نے لڑکیوں کے واسطے بتائی ہیں۔ ہم بوڑھی جورواں
گھر کے دھندوں سے اتنی فرصت کہاں سے لائیں گی۔ ہمیں تو آپ ہمارے موافق
کام بنا دیجئے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ جس قدر تم کو فرصت ملے اُس میں بھی
بہت کچھ کر سکتی ہو۔ ہمارے ہندوستانی کہا کرتے ہیں کہ کہیں بوڑھے طوطے
بھی پڑھے ہیں۔ مگر ہم نے ہندوستان کے ہی بہت سے آدمیوں کو بڑھاپے
میں حافظ قرآن ہوتے اور انگریزی یا ہندی پڑھ لیتے دیکھا ہی۔ بلکہ انگریز تو اکثر
بڑی ہی عمر میں غیر زبانوں اور غیر علموں کو سیکھا کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ زمانہ عقل
کے سلیم اور پختہ ہونے کا وقت ہوا کرتا ہی۔ ہر ایک بات بہ آسانی سمجھ میں آتی اور
ذہن نشین ہو جاتی ہی۔ کیا تم اپنی زبان کی کتابیں بھی نہیں پڑھ سکو گی؟ تمھیں اخلاق
مذہبی عقائد۔ روزمرہ حساب کتاب۔ اُصول صحت۔ خط و کتابت۔ پرورش اطفال۔
اور خانہ داری کا سیکھنا فرض ہی۔ اگر رات دن میں چار گھنٹے بھی اس کام کیواسطے
نکال لوگی تو بھی یہ ساری باتیں برس چھ مہینے میں حسب ضرورت آجائیں گی۔ کیا
تمھارے خاوند اتنی بھی مدد نہیں دے سکتے؟ غرض جس طرح بنے تم اول اُردو کا
پڑھنا سیکھ لو۔ پھر تو اگر تمھاری طبیعت کو لگاؤ اور دل کو شوق ہوگا تو آپ سے آپ
اس قسم کی کتابیں پڑھتی چلی جاؤگی۔ آٹھویں باتیں ... راحت زمانی یا نکی

اُستانی کے پاس آکر اپنے شبہے مٹا لیا کرنا اور جو بات سمجھ میں نہ آئے وہ بھی سمجھ جایا کرنا بلکہ چاہو تو جو سب سے زیادہ مشکل اور تمھاری سمجھ سے باہر کتاب ہو اُسے صرف آٹھویں روز انھیں کے گھر پر آکر پڑھنا موقوف رکھو۔ جنھیں کسی امر کا عشق ہوجاتا ہی وہ تو وقت اور موقعے نکال کر اپنا شوق پورا کر لیا کرتے ہیں کیا تم سے اتنا بھی نہ ہوگا بلکہ چاہو تو اپنی لڑکیوں اور لڑکوں سے بھی پڑھ سکتی ہو۔ یہ سُنکر سب کا اطمینان ہوگیا اور ہر ایک عورت نے ایک ایک دو دو کتابیں منگا کر پڑھنی شروع کردیں۔ مولوی صاحب تو اتنا فرما کر ہمیشہ کے لیے رخصت ہوئے راحت زمانی کی والدہ نے موجودہ اُستانی نے کے علاوہ مختلف علوم پڑھوانے کے لیے ایک مدرسے کی پڑھی ہوئی نہایت تعلیم یافتہ مہذب با اخلاق اور نیک بخت اُستانی کو بلا کر نوکر رکھ لیا۔ کبھی کبھی ایک آدھ مس بھی گھر پر آکر امتحان لینے اور اس لڑکی کو ہونہار دیکھ کر کام کی باتیں بتانے اور بہو بیٹیوں کا ہنر سکھانے لگی۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ آسمان و زمین کے قلابے ملانے کہ بڑے بڑے پڑھے لکھے ان کی تعریف کرنے لگے سب کی سب ہمجولیاں ایک دفعہ ہی طاق اور شہرۂ آفاق ہوگئیں اونچے اونچے گھروں سے باتیں آنی شروع ہوئیں مگر لڑکیوں کے ماں باپ نے ان کے تیور دیکھ کر جلدی بیاہ دینا مناسب نہ جانا کیونکہ وہ جانتے تھے جب تک یہ اچھی طرح علم حاصل کر کے فارغ التحصیل نہ ہونگی ہرگز شادی پر راضی نہ ہوں گی۔ اگر کنواری بیٹیوں نے اپنے مونھ سے انکار کر دیا تو یہ بھی ایک شرم اور از خود دیدہ دلیل بنا دینے کی بات ہی۔ جہانتک بنے

لہ دیدہ دلیل۔ صحیح دیدہ دلیر یعنی بیباک اور نڈر مستعمل ہی۔

آدمی وہ موقع ہی نہ آنے دے جس سے بیٹی ذات کا ہیاؤ کھلے اور وہ خود مختار وخود رائے ہو کر کھل کھیلے۔ پڑھتے لکھتے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ لڑکیاں تو آپس میں بات بات پر وہ منطقی تقریر چھانٹنے لگیں کہ ان ہوئے کا سُنکر دل خوش ہو ایک دن کا ذکر ہے برسات کا موسم تھا گرمی کی تکلیفوں کے آگے ان دنوں کی بوندا باندی اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں نے باغ کی سیر وسبزہ زار دیکھنے کی اُمنگ دل میں پیدا کر رکھی تھی راحت زمانی کو جو پڑھتے پڑھتے کچھ خیال آیا تو انھوں نے محمودی بیگم سے کہا کہ بُوا اب کے جمعے کو اماں جان اور سارے کنبے کی عورتوں کو لے کر ہمایوں کے مقبرے چلیں آج کل وہاں بہار آرہی ہوگی نیچے دریا کا پاٹ اور اوپر سبزے کا ٹھاٹ عجب لطف دکھا رہا ہوگا۔ برساتی پھول جُدا اپنے جوبن میں تل رہے ہوں گے ان پھولوں کی پتیاں دیکھ کر ہم بھی ویسی ہی پنکھڑیاں بنائیں گے اور یہ قدرتی نمونہ اپنے ابا جان اور مس صاحبہ کو دکھا کر خوب ہی ہنسائیں گے۔ ایک روز پہلے سے پردے کا بندوبست کرالیں گے ہمارے نوکر چاکر چار دیواری کے باہر اور دروازے کے اوپر ہو بیٹھیں گے پرندہ پر نہ مار سکیگا۔ وہیں کڑھائی چڑھے اور جھولا پڑے جب مزا ہے محمودی بیگم چونکہ ایک غریب گھر کی لڑکی تھی اور اُسے پڑھنے لکھنے کے علاوہ گھر کا دھندا اور چھوٹے بھائی کا رکھنا بھی پڑتا تھا اُس نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا اور کہا کہ بُوا اول تو اندھا کیا جانے لالے کی بہار دوسرے تمھاری وہی مثل ہے

۱؎ اصل میں ہیاؤ یعنی ہر وہ بمعنی دل و دلیری تھا مگر کثرت استعمال سے عورتوں نے ہیاؤ بنا لیا ہے

۲؎ کھل کھیلنا۔ ایک محاورہ ہے بمعنی بیباکانہ کسی امر کا کرنا۔

گائے نہ کبھی نیند آئے۔ اچھی خدا نے دولت دی غنی بنایا ہمہ نعمت موجود ہی چاہو تو ہل کر پانی پیو۔ میں غریب کی بچی آج ہی چار کام نہ کروں تو سارا گھر اوندھا اور کارخانہ پٹ ہو۔ اللہ رکھے تمہارا سیر تماشے کو جی نہ چاہے تو اور کسکا چاہے گا راحت زمانی اول تو یہ بات سُنکر پی گئی جب ذرا غصہ دھیما ہوا تو کہا بُوا ہماری نیند تو کوسوں گئی مگر افسوس کہ تمہارے اخلاق نے ابھی تک کروٹ نہ لی۔ وہی جاہلانہ حسد کی باتیں چلی جاتی ہیں گو میں جانتی ہوں کہ تم نے جو یہ دو چار باتیں سُنائیں ان سے صرف اپنی کم فرصتی اور افلاس کا اظہار منظور تھا نہ کہ ہماری دولت سے حسد اور خدا واسطے کا بغض۔ مگر یہ لفظ ایسے پیرائے میں ظاہر ہوئے کہ جو شخص تمہاری عادت علمیت اور نادانی سے واقف نہ ہو وہ ترت یقین کر سکتا ہی کہ یہ تو کوئی بڑی حاسد لڑکی ہی اس بہتر ہی کہ آدمی اپنا اپنا غصہ اور سخت ناراضگی بھی ظاہر کرے تو وہ ایسے ملائم اور عاجزانہ الفاظ میں ہو کہ دوسرے کو ذرا میل نہ آئے اور اپنا کام بھی نکل جائے۔ آپ ابتدا سے ہماری خلیفہ بلکہ اتالیق رہی ہیں افسوس کرتی ہوں کہ آج مجھے ایک ایسی بحث کرنی منظور رہی جس سے میرے دل اور میرے خیال کا شبہ مٹ کر اطمینان ہو جائے لیکن اندیشہ ہی تو صرف اتنا کہ آپ اُسے کہیں گستاخی اور ان چار حرفوں کے پڑھ جانے کا گھمنڈ نہ سمجھیں۔ محمودی بیگم نے کہا بوا واقع میں مینے یہ بات کچھ جل کر یا حسد سے نہیں کہی مجھے خدا اُس دن کو غارت کرے جس دن میرے ایسے خیال اور اس قسم کی طبیعت ہو۔ میری تمہاری باتیں ابتدا سے بے تکلفانہ رہی ہیں۔ یہی اُس دل کھلی کا باعث تھا کہ جو کچھ دل میں آیا صاف صاف

کہہ دیا میں جیسی صاف دل اور بے کپٹ ہوں ایسا ہی تم کو بلکہ اپنی تمام سہیلیوں اور ساتھ کی کھیلیوں کو جانتی ہوں بیں اُن میں سے نہیں ہوں کہ دیکھ پڑوسن جل مری جو بحث آپ کو منظور ہے کیجیے جہاں تک میری عقل راہ دیگی میں حاضر ہوں قائل ہونے کی بات ہوگی تو اُس میں قائل ہو جاؤں گی اور جو قائل کرنیکی بات ہوگی تو قائل کردوں گی لیکن ذرا اُبّوا **شاہجہاں** اور نورجہاں کو بھی بلا لو اگر وہ بحث اس وقت کی گفتگو سے متعلق ہی تو بھئی خدا کی قسم اگر ہم قائل ہو گئے تو ابھی تمہارے ساتھ ہمایوں کے مقبرے جانے کو طیار رہونگے چاہے ورنہ آپ جائیں اور نہ تمھیں جانے دیں۔ اسی گھر کو ہمایوں کا مقبرہ اور انگنائی کے پانی کو جمنا کا چڑھاؤ سمجھ لیں گے **راحت زمانی** نے جواب دیا کہ بھئی ہمیں بھی منظور۔ وہ بحث اسی وقت کے متعلق اور ابھی میرے خیال میں آئی ہی اچھا میں اُن دونوں کو ابھی بلوا بھیجتی ہوں یہ کہہ کر ماما کو بھیج جھٹ بلوا لیا۔

ماما کا پہنچنا تھا کہ دونوں سہیلیاں جس طرح اپنے اپنے گھر بیٹھی تھیں اُسی طرح ڈولی پھندا گھم کرتی آن اُتریں ڈولی والوں نے آواز دی "سواری اُتر دلو" راحت زمانی نے کہا اے لو وہ بھی آگئیں اچھی اُستانی جی ذرا جا کر اُتروا لانا۔ اُستانی جی گئیں اور ساتھ لیے چلی آئیں۔ آتے ہی دو دونو کا چوکیاں ہوئیں۔ بی راحت زمانی نے کہا واہ بوا تم کو دیر بھی آج ہی لگانی تھی کیا آنے کا ارادہ نہ تھا۔ اُنھوں نے جوابدیا ذرا ہماری آنکھوں سے دیکھو تو جاتو ل دھار اوپر دھار تو مینھ برس رہا ہی ہم کس طرح آجاتے آپ اپنے گھر میں بیٹھی ہیں آپ کو کیا خبر ہی کہ اتنی دور سے آنے میں کسی پر کیا بیتے گی جس کے نہ ہٹی ہو بوائی وہ کیا جانے

پٹر پڑائی۔ راحت زمانی نے کہا سبحان اللہ ایسا ہی آپ کو پاؤں پیدل بیجیائی
کا برقع اوڑھ کر آنا تھا۔ ڈولی کے سوار کو کیسی بارش اگر دروازے تک آکر سوار
ہو جاتیں تو ایسی کچھ شوے کی بھی نہ تھیں کہ بی موم کی مریم پگل جاتیں اسپر محمودی
بیگم بولیں کہ بوا آج ان کا ایک ایک سے لڑنے کو جی چاہ رہا ہے ان باتوں سے
کیا حاصل ؟ جس مطلب کیواسطے بلانے کی دہوم ڈال رکھی تھی اب ذرا اُسے بھی تو
سُنو۔ اُنھوں نے کہا اچھا جانے دو۔ ہاں بہن ایسی کیا جلدی ماری جاتی تھی کہ ہمارے
نہ آنے سے آپ اتنی بے رُخ ہوئیں راحت زمانی نے کہا کچھ بے رخ ہونے کی
بات نہیں ہے آج کہیں برسات کی بہار دیکھکر میرے موںھ سے اتنا نکل گیا کہ بُوا
اب کے جمعہ کو ہمایوں کے مقبرے چل کر سیر کریں۔ اس سیدھی بات پر بی
محمودی بیگم صاحب اُلٹ پڑیں اور کہا کہ خدا نے تمھیں دولت دی غنی بنایا
تم کو سیر و تماشے زیبا ہیں میں غریب کی بچی مجھے اتنی فرصت اور لیاقت کہاں
میری تو وہی کہاوت ہے کہ" تو گدھی کمہار کی تجھے رام سے کوت"، اب تمھیں
انصاف سے کہو کہ میں نے اس بات میں کیا زہر ملا کر کہا تھا جو ان بیوی صاحب
کو ناگوار گزرا یہ تو وہی بات ہوئی آپڑوسن مجھ سی ہو۔ میں نے کہا کہ " یہ حاسدانہ
کلام تمھیں شایاں نہیں آج میں اسی میں بحث کرتی ہوں کہ موئی دولت ہے
کون بلا۔ ہم تو لونڈیوں باندیوں کے یہ نام رکھا کرتے ہیں اور جب چاہتے ہیں انھیں
آزاد کر دیتے ہیں۔ آدمی کا دل غنی ہونا چاہیئے انھوں نے تو گلستاں بھی پڑھ کر
ڈبوئی کہ ؎ " توانگری بہ دل ست نہ بمال + بزرگی بعقل ست نہ بہ سال "
یہ سُنتے ہی محمودی بیگم آپے سے باہر ہو گئیں آئیں تو جائیں کہاں اول تو کہا

وہی گلستاں والے سعدی جی جدال سعدی میں دیکھ چکی ہو کیا کچھ دولتمندوں کے عوض اُس شخص سے لڑ چکے ہیں جو ان کے خلاف تھا اور کیا کیا ثبوت دیا ہی کہ ساری علمیت وہیں صرف کر دی ہی میں کبھی یقین نہیں کر سکتی کہ آدمی کے پاس پیسہ نہ ہو اور پھر وہ ہر طرح کا آرام اُٹھا سکے حضرت سلامت ہم تو جب دولت کو بیکار سمجھتے کہ آپ کے پڑھانے کے واسطے مفت کی اُستانی۔ مفت کی کتابیں۔ مفت کے نوکر چاکر اور سارا سامان آجاتا اگر ہماری طرح سے آپ ایک ایک بات کی محتاج نہ ہوتیں تو ہم دکھا دیتے۔ یہ دولت ہی کا طفیل ہے کہ مسجدوں میں چراغ۔ گھروں میں ہر قسم کی روشنی دکھائی دیتی ہی۔ بیگم صاحب کھانا بھی اچھے سے اچھا کھاتی اور عمدہ سے عمدہ کپڑا پہنتی ہیں۔ پھرنے کو سواری باتوں کو سہیلیاں۔ سینے کو مغلانی سُننے کو کہانیاں موجود ہیں۔ ذرا سا سر دُکھے تو دس دس حکیم دوڑے چلے آتے ہیں۔ ایک کپڑا پھٹتا ہی چار سل جاتے ہیں۔ خدا سے دولت ملائے رسول سے دولت سرخرو کرے۔ حج اس کی بدولت نصیب ہو۔ زکوٰۃ اس سے اس کے تصدق میں نکلے سخی یہ بنائے حاتم یہ کہلوائے پھر تم کس مُونھ سے کہتی ہو کہ دولت لونڈیوں باندیوں کے نام ہوا کرتے ہیں ذرا اس لونڈی کو آزاد تو کر دیکھو پھر یہ باتیں سوجھیں تو میں جانوں یوں کہو ؎

ہر دم کی اُٹھا کون سکے رنجش بیجا

اس واسطے پھر پھر کے یہ غصہ ہی ہمیں پر

راحت زمانی نے کہا بس بوا کہہ چکیں سارا بخار نکل گیا یا ابھی کچھ کسر باقی ہی تو وہ بھی زہر اُگل لو۔ بوا۔ نور جہاں بیگم تم اور بہن شاہ جہاں بیگم تم سنتی

جانتی ہو کہ میں نے ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں کہی جس سے رنجش ٹپکے اور نہ آگے اس قسم کی باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ تم میری تقریر بھی سن لو پھر جو کچھ خدا لگتی ہو وہ صاف صاف کہدینا نہ موئی دولت کا موہنہ کرنا اور نہ میرا پاس بی نورؔ علی نور بولیں ؎

سچ جان ہے ہماری اور جان ہی تو سب کچھ
ایمان کی کہیں گے ایمان ہے تو سب کچھ

اس پر شاہ جہاں کھل کھلا کر ہنس پڑی اور نور جہاں سے مخاطب ہو کر کہا تو بھی بڑی علامہ ہی ؎

کھوٹی باتیں ہیں اور پہلو دار
ہاں ترے دل میں اے بہن کچھ ہے

مجھے یہ دو فصلی باتیں نہیں بھاتیں۔ بھس میں چنگی ڈال جمالو دور کھڑی۔ سیدھی طرح جو کچھ یہ کہیں سن کیوں نہیں لیتی۔ خواہ مخواہ بات بڑھانے سے کیا فائدہ ؟ ؎

سنبھالو اک ذرا اپنی زبان کو
ہمارے موُنھ میں بھی آخر زبان ہی

راحت زمانی نے کہا اول تو میں ان سے پوچھتی ہوں کہ بی محمودی بیگم صاحبہ آپ کی اس تقریر کا حاصل یہی ہے نا ؟ کہ دولت کے بغیر حاجت روائی ممکن نہیں۔ غیروں کی حاجت روائی کرنے سے ثواب اور اپنے صرف میں لانے سے اپنی تن آسانی حاصل ہوتی ہی۔ سو ان دونوں باتوں کا جواب سن لیجیے اگر آپ کی یہ غرض نہیں ہی اور کچھ اور مطلب ہی تو وہ اس وقت چار آدمیوں

کے سامنے کہہ دیجیے تاکہ میں اُسی کا جواب دوں بی محمودی بیگم نے کہا۔
"ہاں بوا میرے مطلب کا خلاصہ تو یہی ہے۔ بشرطیکہ تم کسی اور پہلو پر اُسے نہ ڈالو"
راحت زمانی بولی کہیں یہ بھی ہو سکتا ہے۔ ذرا توجہ فرمائیے جو شخص اپنے ہاتوں
سے ہر ایک کام کر لے یا اُن خواہشوں کو جن کے واسطے دولت کی ضرورت
پڑتی ہے خاطر میں نہ لائے تو بتاؤ اُسے روپے کی کیا ضرورت ہے۔ غنی اُس شخص
کو کہتے ہیں جو کسی کا محتاج نہ ہو۔ جن کے نزدیک نرم بچھونوں پر سونا اور خاک پر
پڑ رہنا برابر ہو وہ کیوں کسی کا احسان اُٹھانے لگا ہے۔ دولتمند کے پیچھے ہزار
جھگڑے اور فکر لگے رہتے ہیں اگر وہ ایک ملائم بچھونے پر سویا اور اُس کی جان
کو عذاب لگا رہا تو وہ اچھا یا یہ غریب اور درویش صفت کہ جیسے آئے کی خوشی نہ
گئے کا غم۔ میں اپنی ہی کہتی ہوں۔ تم بھی دیکھتی تھیں۔ جب تک پلنگ پر گل تکیہ
پہلو تکیے۔ ران تکیے نہوں اور چار عورتیں چپی نہ کریں مجھے کب نیند آیا کرتی تھی
یا اب میں وہی راحت زمانی ہوں کہ کھری چارپائی پر بھی اس مزے سے
سوتی ہوں کہ اُس سُکھ سیج پر نہ سوتی تھی خود ہی علی الصباح اُٹھ بیٹھتی اور آپ
ہی اپنا مونھ ہات دہو کر سارے کاموں سے فارغ ہو جاتی ہوں میرے نزدیک
امیر کے برابر کوئی محتاج نہیں۔ دس ہاتوں کا یہ محتاج چوکیداروں کا یہ محتاج
خدا کے دیئے ہاتوں سے یہ کام نہیں لیتا اُس کی دی ہوئی عقل کو یہ صرف میں
نہیں لاتا۔ جیتے جی چار کے کندھوں پر چڑھنا۔ پاؤں کے ہوتے سلاتے اپنے
بوجھ کو دوسروں پر ڈالنا کیسی حماقت اور ناشکری ہے جس قدر دولت بڑھتی
ہے اسی قدر آدمی کے کام یعنی محتاجی بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ مجھے خدا عقل دیگا

تو میں اپنی تمام ضرورتوں کو ضرور گھٹاتے گھٹاتے اس انداز پر لے آؤں گی کہ خود ہی سارے کام کاج کر لیا کروں گی اور جو کام اپنے بس سے باہر ہوا کرے گا اُس پر صبر اور جو چیز اپنی ضرورت سے کم ہو گی اُس پر قناعت اپنا وتیرہ ٹھہرا لونگی۔

اے قناعت توانگرم گرداں

کہ ورائے تو ہیچ نعمت نیست

مجھے تو اُن لوگوں پر بڑا ہی افسانہ آتا ہی جو اس دولت پر مرتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ امیروں کے خوشامدیوں پر۔ یہ تو تم نے دیکھ لیا کہ حاجت روائی دولت کے بغیر بھی ممکن ہی۔ اب اس کا جواب سنو کہ "دولت خدا سے ملاتی اور ثواب کی گٹھریاں بندھواتی ہی" اگر تمھاری یہ بات سچ ہوتی تو ہمیشہ رسالت اور پیغمبری دولتمندوں ہی کو حاصل ہوا کرتی۔ بے چارے زاہدوں، عابدوں کی ریاضت درویشوں کی نفس کشی یوں ہی خاک میں ملا کرتی۔ میں تم سے پوچھتی ہوں اگر تم کسی حاکم کے پاس کسی سے کوئی چیز بنوا کر بھیجو تو اُس کی زیادہ قدر و منزلت ہو گی یا خود بنا کر اور خود ہی لے کر جاؤ تو وہ زیادہ عزت اور محبت کا باعث ہو گی بس اسی طرح ثواب کو سمجھ لو کہ جو عبادت تم خود کرو گی اس سے زیادہ دوسروں کی عبادت گو کسی قدر صرف کر کے حاصل کیوں نہ ہو کچھ کام نہیں دیگی۔ مجھے تو رہ رہ کر یہی پچھتاوا آتا ہی سہ

یوں ہی آئی عمر اور یوں ہی گئی

ہم خدا جانے رہے کس دھیان میں

ملہ عورتوں میں بمعنی افسوس مستعمل ہی۔

شاید تم نے سلطان رضیہ بیگم کی وہ حکایت تاریخ میں نہیں دیکھی جس میں ایک ادنیٰ لکڑہاری نے انھیں شرمندہ کر کے آٹھ آٹھ آنسو رلوایا دیا تھا۔ اے لو مجھ سے سُن لو۔

حکایت ایک دن سلطان رضیہ بیگم صاحبہ دریا کی سیر کر رہی تھیں دیکھتی کیا ہیں کہ ایک عورت اُسکا خاوند اور دو بچے ایک طرف بیٹھے ہوئے خوشی خوشی کھانا پکا رہے ہیں۔ ان کے چہروں سے وہ بشاشت اور دلالت ٹپک رہی ہو کہ گویا آج ان کے ہی گھر میں دنیا بھر کی سلطنت آگئی ہو۔ ملکہ نے یہ حال دیکھ کر اپنی ایک جلیس کو حکم دیا کہ دیکھو تو ایسا انھیں کیا پایا ہو کہ جس کی خوشی میں یہ لوگ اس مصیبت کو یوں ہنس ہنس کے ٹال رہے ہیں جب اُس نے جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ لکڑہارے ہیں لیکن چونکہ وہ ملکہ کی تشریف آوری سے کچھ خوش نہیں ہوئے تو ملکہ نہایت تعجب کر کے آگے بڑھی اور خود پوچھا کہ او عورت کیا تو نہیں جانتی کہ میں بادشاہ وقت ہوں اُس نے جواب دیا کہ ہم محتاج نہیں ہیں جو تیری عزت کریں قناعت نے ہمیں تجھ سے بہتر کر دیا ہی۔ آج چار پیسے کمائے ہیں اب مل کر کھالیں گے خدا کا لاکھ لاکھ شکر کریں گے اور پاؤں پھیلا کر سو رہیں گے۔ نہ مال ہی کہ جسے چور چرائے اور نہ اسباب ہی کہ اُسے اُچکا لے۔ نہ کہ تیری طرح کہ تجھے زمانے کے تردد اور فکروں سے ملک چھپکانے کی بھی فرصت نہیں ملتی آج ہی تو ذرا بے فکر ہو جائے تو یہ سلطنت تیرے ہاتوں سے نکلجائے اور پھر تجھے امیری کے بعد فقیری اُس سے زیادہ ستائے یہ سن کر ملکہ زار زار روتی ہوئی گھر آئی اور تھوڑے دنوں بعد ایک حبشی غلام کے سبب بیفکر ہو جانے سے ماری گئی۔ بی محمودی بیگم صاحبہ۔

کچھ ہنر تھا نہ بحث تھی منظور ‌‌ ‌ یہ بھی اک طبع آزمائی تھی

جو کچھ قصور ہو معاف فرمانا۔

محمودی بیگم نے کہا بوا تم نے مجھ بے چاری کا کون سا قصور کیا کہ میں اُسے معاف کروں اگر تم نے اپنی طبیعت کی جولانیاں دکھانے کو دوچار موئیں[له] پھنکیں اور اس سے دو موئیں ہنس کر اپنا دل خوش کر لیا تو میرا کیا ہو گیا بی شاہجہان بیگم اور بوا نورجہاں بیگم تم کیوں نہیں انصاف کی کہتیں کیا فقط موئیں تکنے کو آئی ہو جو گونگی کا گوڑ کھا کر بیٹھی ہو۔ یہ بات سُنکر دونوں نے بالاتفاق کہا کہ بوا ایمان کی جو پوچھو تو تمھاری اول کی تقریر سے یہی ثابت ہوتا تھا کہ اب راحت زمانی سے اس کا جواب نہیں بن پڑیگا۔ تم نے دولت کی خوبیاں اس خوبی سے بیان کی تھیں کہ ہمارا اور سب سُننے والیوں کا دل اُسی پر غش ہو گیا تھا مگر جب بی راحت زمانی صاحب نے اُس کی تردید کی اور اس خوبصورتی سے دولت کی محبت کو دل سے اُتارا کہ ہمارا جی بھی اُٹش اُش کرنے لگا تو ذرا ہم سب کا اعتقاد ڈگمگایا اب آگے کی خدا جانے کون جیتے اور کون ہارے مگر اس کا جواب بن پڑنا ذرا مشکل معلوم ہوتا ہے اس پر محمودی نے جواب دیا کہ بوا تقریر کو بہت بڑی گنجائش ہے جہاں تک جی چاہے زمین و آسمان کے قلابے ملاتی چلی جاؤ۔ مگر انصاف کی کہنے والے اور مدعا کو پہنچکر صحیح نتیجہ نکالنے والے دوچار ہی ہوا کرتی ہیں کیا آپ کے نزدیک اس کا جواب ناممکن ہے لیجیے ذرا کان دھر کر سُنیے۔ میں پھر یہی کہتی ہوں کہ لاکھوں میں آدمی کا دولت کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ کیوں کہ ہر آدمی کے ساتھ مختلف حاجتیں لگی ہوئی ہیں۔ اگر بی راحت زمانی صاحبہ کے

[له] عورتیں منہ کو موئیں بولتی ہیں [۲] گنگ ہم ہو کر بیٹھنا۔ خاموش ہو کر بیٹھنا۔

قول کے موافق بالفرض سارے کام ایک آدمی آپ ہی کرلے نے چاہیے تو
بھی ممکن نہیں فرض کرو کہ ایک آدمی کو کپڑے کی ضرورت پڑے تو خود بُنے
سینے کی حاجت پڑے تو آپ ہی سی لے۔ سوئی ٹوٹے تو آپ ہی بنالے۔ کھانا
آپ ہی پکائے۔ چکی آپ ہی پیسے۔ ایندھن آپ ہی لائے۔ پانی آپ ہی بھرے
کھیت آپ ہی بوے۔ سودا سلف آپ ہی کرے۔ جوتی آپ بنائے۔ چارپائی
بھی بُنے۔ بڑھئی کا کام بھی کرے۔ گہنا بھی آپ ہی گھڑے۔ نجاست بھی آپ ہی
اُٹھائے۔ خود ہی کاغذ بنائے۔ خود ہی کتابیں تصنیف کرے۔ خود ہی حکیم بنے
خود ہی جراحی کرے۔ بیمار پڑ جائے تو آپ ہی اپنا علاج کرے۔ خود ہی جڑی بوٹی
کھود کر لائے۔ غرض جب سارے کام آپ ہی کرے اور پیسے سے کام نہ لے
تو اتنی باتیں حاصل کرنے کو عمر نوح کہاں سے لائے اور ہر کام کے قابل طاقت
اور زور کہاں سے بہم پہنچائے۔ خدا کی عبادت۔ بال بچوں کی غور پرداخت
کس وقت کرے۔ رہی یہ بات جسے آپ سب صاحب لاجواب سمجھتے ہیں کہ
پیسے پر سارے کام موقوف ہوتے تو پیغمبری اور رسالت صرف دولت سے
ملا کرتی۔ اس کا جواب ایک ادنی سا تو یہ ہی کہ رسول جب تک مقبول خلائق
اور برگزیدۂ آفاق نہ ہو ہرگز نہیں ہوسکتا۔ پس جب بہترین خلائق ہوا تو تمام
خلقت اُس کی خدمت جان و مال سے کرنے پر مستعد ہو جاتی اور اس میں اپنی
سعادت و نجات سمجھتی ہی۔ پھر اُس کا کون سا کام اٹکا رہا جس کے لیے دولت
کی ضرورت ہو۔ کیونکہ جس شخص نے اپنے ہات پاؤں سے خدمت گزاری کی اُسکی
بھی نجات ہوئی اور جس نے دولت سے اُن کا کام نکالا وہ بھی بخشا گیا۔ سچ پوچھو

تو نبیوں نے بھی سارے کام آپ ہی نہیں کیے ہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ
انھوں نے اپنی خواہشوں اور ضرورتوں کو اس قدر گھٹا دیا تھا کہ وہ ہماری تمھاری
طرح ہر بات کے محتاج نہ تھے مگر چاہو کہ اُنھوں نے کپڑا پہننا چھوڑ دیا ہو۔ روٹی
جس پر زندگی کا مدار ہے بالکل ترک کر دی ہو۔ جورو بچوں کو حق حلال سے کما کر
نہ کھلایا ہو۔ سو یہ بات ہرگز خیال میں نہیں آسکتی۔ اگر وہ سارے کام آپ ہی کیا
کرتے تو خدائے تعالیٰ کی عبادت اور پیغام رسانی کون کیا کرتا۔ اب تمھیں کہو
میں نے اس میں کیا جھوٹ کہا۔ میں اس کا انصاف تمھیں لوگوں پر چھوڑتی ہوں۔ یہ
باتیں سُنکر اول تو سب کو ایک سکوت کا عالم ہو گیا اور آخر پر یہ بات ٹھہری
کہ دونوں کا کہنا سچ ہے صرف افراط تفریط کا جھگڑا ہے۔ پرلے درجے کی فقیری بھی
بُری اور انتہا کی دولت بھی نکمی۔ متوسط درجے کی ہر ایک بات اچھی ہے۔ کیونکہ
اس میں کام بھی نکلتا رہتا ہے اور آدمی مغرور و کاہل بھی نہیں ہونے پاتا۔ اس
فیصلے کو سب نے منظور کیا اور دوسرے روز ہمایوں کے مقبرے جانے کی ٹھہرا
دی۔ صبح کے پانچ بجے ہوں گے کہ سارے محلے کی لڑکی بالیاں رنگ برنگ
کے جوڑے بدل بدل کر راحت زمانی کے گھر میں چلی آئیں۔ کسی نے اپنی خالہ
کو ساتھ لیا۔ کوئی ماما کو ہمراہ لائی۔ کسی کی ماں ہی ساتھ چلی آئی یہاں بی راحت
کی والدہ صاحبہ نے تمام لونڈیوں باندیوں۔ نوکروں چاکروں کو طیار ہو جانے کا
حکم سُنا دیا۔ دو چار تھیں دو چار سیج گاڑیاں آگئیں۔ ٹھنڈے ٹھنڈے سوار ہو
عرب سرائے پہنچیں وہاں سے اور بہت سے ملاپ داروں کو جمع کر مقبرے میں
زنانہ کرا دیا اور ایک دفعہ ہی چھم چھم کرتی ہوئی جا اُتریں۔ گویا ہری ہری گھاس پر

بیر بہوٹیاں سی اُتر پڑیں۔ کوئی بھول بھلیوں میں جا کر بھولی بھولی پھرنے لگی۔ کسی نے امریوں میں جھولا ڈال "سکھی آئے بدروا جھوم کے" گانا شروع کر دیا۔ ننی ننی بوندیاں ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی۔ ادھر مور جنگھارنے لگے۔ اُدھر مینڈکوں نے پنچم کے سروں میں ایک اور درجہ بڑھا کر آواز لگائی۔ کبھی کوئل کی کوک کبھی پپیہا کی پی پی سے عجیب سماں بندھا۔ جب ان دو چار لڑکیوں نے دیکھا کہ یہاں تو کان پڑی آواز نہیں سُنائی دیتی۔ ہر ایک اپنی اپنی اُمنگ میں سرشار ہے ان کے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی خوشی نہیں تو راحت زمانی۔ **محمودی بیگم۔ نور جہاں۔ شاہ جہاں۔** یہ چاروں کی چاروں اُن سے علیحدہ ہو کر ایک روش پر جا کھڑی ہوئیں۔ گل مہندی کے لال لال گلابی گلابی اُودے اُودے پھول دیکھ کر ان کا جی بہلا۔ حبشی اور ہزاری گیندے سے مُرجھائے دل کا کنول کھلا۔ گلاب کی پنکھڑیاں توڑ کر ایک نے دوسری سے کہا ذرا ان کی کتر بیونت دیکھنا جس صفائی سے یہ قدرتی کترے ہوئے ہیں۔ موئی قینچی بھی کیا کترے گی۔ گویا ہر ایک پتا سانچے میں ڈھلا ہے۔ آگے رگیں ویسی ہی ابھری ابھری ہوا ڈورے کی بہار دکھا رہی ہیں۔ آدمی ان کی تصویر تو اُتار لیتا ہے مگر یہ رگیں نہیں بنا سکتا۔ جب جانیں ہم میں سے کوئی یہ پتیاں بنائے اور اُس میں رگیں بھی دکھائے۔ پہلے تو ہر ایک کاغذ اور پنسل لیکر ہو بیٹھی پھر ایک ایک پنکھڑی کو کاغذ پر گھنڈی دار سوئیوں سے چپکا کر خاکا اُتار لیا۔ بُری بھلی رگیں بھی اُسی سی بنائیں مگر کاڑھنے میں یہ بات ممکن نہ رہی۔ گھر پر آکر بہتیرا زور لگایا لیکن رگیں کہ دیکھنے میں رگیں ہیں اور ہات لگانے میں یکساں ملائم اور چکنی پتیاں ہات سے

نکلیں۔ ہاں دال نہیں دلیا کچھ نہ کچھ مونھ چڑا لیا۔ کسی نے گل مہندی کا پھول
کسی نے گیندے کا اپنی اپنی عقل لڑا کر تراشا اور گوندے سے جوڑ جوڑ کر رنگے
ہوے کاغذ کے دور سے دیکھنے میں ویسے ہی پھول بنائے مگر زیرہ اور ڈنڈی ویسے
بننے تھے نہ بنے۔ البتہ ذرا عقل لڑانے کا سلیقہ آگیا۔ گھانس کو اور طرح طرح کے
پتوں کو اس غور سے دیکھا جیسے کوئی اجنبی آدمی کسی نئی چیز کو دیکھتا ہی۔ اس غور
کے وسیلے سے خدائے تعالےٰ کی قدرت ادنیٰ ادنیٰ گھانس میں ایسی ایسی ثابت
ہوئی کہ جس کی تحقیق میں بڑے بڑے صناع عاجز اور قاصر نظر آئے۔ وہیں کھڑے
کھڑے سب نے مل کر یہ بات سوچی کہ بھلا کوئی ایسی ترکیب بھی نکل سکتی ہی کہ ایک
گلاب کے پیڑ میں کئی کئی رنگ کے پھول جو اس وقت جدا جدا پیڑوں میں ہیں
ایک ہی درخت میں نظر آئیں۔ یعنی کسی ٹہنی میں سفید پھول ہوں تو کسی میں سرخ
کسی میں گلابی۔ کسی میں زرد۔ محمودی بیگم نے کہا گل عباسی کو نہیں دیکھتیں۔ کہ
ایک پیڑ میں کئی کئی رنگ زرد۔ گلابی۔ سرخ۔ افشاں و بے افشاں ہوا کرتے
ہیں۔ اسی طرح اگر ہر ایک رنگ کے گلاب میں سے ایک ایک ٹہنی لیکر ایک درخت
میں پیوند لگا دیں تو کیا یہ بات نہو جائے۔ سب نے کہا بیشک ہو جائے اگلے موسم بہار آنے دو
اس ترکیب کو ضرور کر کے دیکھیں گے۔ لڑکیاں تو یہاں کھڑی ہوئی مجنونوں کی سی باتیں
بنا رہی تھیں وہاں جو راحت زمانی کی والدہ اور لونڈیوں باندیوں نے دیکھا کہ بیگم اور
انکی سہیلیاں کہیں نظر نہیں آتیں تو سارے میں ڈھونڈیا پڑ گئی۔ ہر ایک بیٹ پکڑے پھرنے
لگی ادھر ادھر پھرتے پھرتے کیا دیکھتی ہیں کہ ایک روش پر کھڑی ہوئی ہاتوں میں پھول
لیے بحث رہی ہیں۔ کوئی کہتی ہی کہ بھلا اسے پیازی کس نے رنگا۔ کوئی کہتی ہی کہ بھلا

ایک ہی رنگ میں دوسرا رنگ کیونکر آگیا اگر ذرا ساکپڑا رنگتے ہیں تو ادھر اُدھر پھیل جاتا ہے۔ غرض یہ باتیں دیکھکر عورتوں کو تعجب ہوا کہ واہ اچھی سیر کرنے آئیں بھلا ان باتوں سے فائدہ ہی کیا ہے۔ یا تو چل کر جھولا جھولو۔ امرتیں، بھول بھلیوں کی سیر کرو۔ یا اپنے گھر چلنے کو تیار ہو اُنھوں نے کہا کہ ہم تو سیر کر چکے ہمیں خدائے تعالےٰ نے اپنی وہ صنعت دکھائی ہے کہ اب اس سے زیادہ کسی بات میں مزہ اور لطف نہیں آئیگا۔ اتنے میں چار بج گئے سب کی سب اسی طرح سوار ہو اپنے اپنے گھر آن اُتریں۔ القصہ تھوڑی ہی مدّت میں راحت زمانی انکی سہیلیاں اور وہ تمام بیویاں جنھوں نے مولوی صاحب کا وعظ اور خواب کی تعبیر سُنی تھی ایسی لائق اور باسلیقہ دسوں اُنگلیاں دسوں چراغ ہر ایک خوبی میں قابل نظیر بلکہ طاق ہوگئیں ان کا قصہ دُور دُور مشہور ہوگیا۔ سیکڑوں نے اُسے پڑھ کر اپنے وقت کی قدر جانی اور وہ باتیں اختیار کیں جنسے قوم کی قوم ترقی کرنے لگی دو ڈھائی برس میں ان لڑکیوں نے ایسا کچھ حاصل کرلیا جسے لوگ برسوں میں حاصل بھی حاصل نہیں کرسکتے دنیا کا کوئی ہنر کوئی علم کوئی کتاب نہیں چھوڑی جب اُن کی شادیاں ہوئیں تو اپنے گھروں کا انتظام بال بچوں کی پرورش اس خوبی سے کی کہ اُن کے خاوند ہزار جان سے عاشق ہو ہو گئے۔ اگر ہم ہر ایک نیکبخت کا جُدا جُدا حال اُن کی سُسرال کی کیفیت وہاں کا برتاؤ لکھیں تو ہر ایک کے واسطے ایک ایک قصہ لکھنا پڑے لہذا ہم اس فسانۂ راحت کو آج ختم کرتے اور خدائے تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ سب لڑکیوں کو ایسی ہی ہدایت دے جیسی بی راحت زمانی کو دی۔ آمین ثم آمین ۔